دعوتِ اسلامی میں خواتین کا حصّہ

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

مولانا امین احسن اصلاحی

دعوتِ اسلامی
میں
خواتین کا حصّہ
(۱)

(یہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی ایک تقریر ہے جو موصوف نے ٹونک کے اجتماع کے موقع پر خواتین کے روبرو فرمائی تھی)

بہنو! مجھے یہ معلوم کرکے بہت خوشی ہوئی کہ یہاں خواتین میں بھی اسلامی تحریک مقبول ہو رہی ہے اور آپ نے اس دعوت کو پھیلانے کے لیے اپنا ایک حلقہ منظم کرلیا ہے۔ ہمارے اس کام میں عورتوں کی شرکت اور تعاون کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی مردوں کی شرکت اور تعاون کی ہے۔ انسانی زندگی میں آپ برابر کی حصّہ دار ہیں، اور زندگی کے جو پہلو آپ سے تعلق رکھتے ہیں وہ ان پہلوؤں سے کسی طرح بھی اہمیت میں کم نہیں ہیں جو مردوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس طرح گاڑی کے دو پہیّوں میں سے کوئی بھی اس وقت تک ٹھیک نہیں چل سکتا جب تک دوسرا پہیّہ اس کا ساتھ نہ دے، اسی طرح انسان کی اجتماعی زندگی کا نظام بھی کبھی ٹھیک نہیں چل سکتا جب تک کہ اس کے چلانے میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی برابر کا حصّہ نہ لیں۔ خدا نے اس گاڑی کو بنایا ہی اس طرح ہے کہ یہ دونوں پہیّوں پر حرکت کرتی ہے اور اگر ایک پہیّہ جم جائے یا اُلٹی حرکت کرنے لگے تو تنہا دُوسرا پہیّہ اس کو لے کر زیادہ دُور تک

نہیں گھسیٹ سکتا۔
یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی بنا پر ہر اجتماعی تحریک عورتوں کی
شرکت اور تعاون کو اہمیت دینے پر مجبور ہے۔ مگر خصوصیت کے ساتھ
اسلامی تحریک تو اس کو بہت ہی زیادہ اہمیت دیتی ہے۔ اس کی ایک وجہ
تو یہی ہے کہ اسلام ٹھیک ٹھیک خدا کی بتائی ہوئی ساخت کے مطابق
انسانی زندگی کا نظام درست کرنا چاہتا ہے، جس کے لیے عورتوں کا درست
ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا مردوں کا درست ہونا۔ لیکن اس سے بھی بڑھ
کر دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام جس خدا کی بندگی کی طرف بلاتا ہے وہ عورتوں
کا بھی ویسا ہی خدا ہے جیسا مردوں کا ہے، جس دین کو حق کہتا ہے وہ عورتوں
کے لیے بھی ویسا ہی حق ہے جیسا مردوں کے لیے ہے، جس نجات کو مقصود
قرار دیتا ہے اس کی ضرورت عورتوں کو بھی ویسی ہی ہے جیسی مردوں کو ہے،
جس دوزخ سے وہ بچانا چاہتا ہے وہ عورتوں کے لیے اتنی ہی خوفناک
ہے جتنی مردوں کے لیے، اور جس جنت کی امید دلاتا ہے وہ عورتوں کو بھی
اپنی ہی کوشش سے مل سکتی ہے جس طرح مردوں کو اپنی کوشش سے۔
اگر کسی مرد کی نجات کے لیے یہ بات کافی نہیں ہو سکتی کہ اس کی بیوی یا
ماں یا بہن ایمان لائی تھی اور خدا کی خوشنودی کے لیے کوشش کرتی رہی
تھی تو ظاہر ہے کہ کوئی عورت بھی محض اس بنا پر نجات نہیں پا سکتی کہ اس کا
شوہر یا باپ یا بھائی ایمان لایا تھا اور اس نے اپنے خدا کو خوش کرنے کے
لیے جان کھپائی تھی۔ خدا کے ہاں کوئی شخص کچھ بھی نہیں پا سکتا جب تک

اس نے خود کچھ پانے کی کوشش نہ کی ہو۔ اس لیے اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کو یکساں اپنی اپنی نجات کی فکر ہو، ہر ایک دل وجان سے وہ خدمات بجالائے جو اسے خدا کی سزا سے بچائیں اور اس کے انعام کا مستحق بنائیں۔ کوئی مرد یا عورت اس طرح اپنے آپ کو دوسروں کے ساتھ نہ باندھ لے کہ اسی کے ساتھ بندھے بندھے دوزخ میں جا پہنچے، اور نہ کوئی مرد یا عورت ایسی اندھوں کی سی زندگی بسر کرے کہ اس کے اپنے گھر میں دین و ایمان کی روشنی موجود ہو مگر وہ اس سے فائدہ نہ اٹھائے۔

تحریک اسلامی کی جو تاریخ ہمارے سامنے ہے وہ ہمیں بتاتی ہے کہ ابتداً سے عورتوں نے اس تحریک میں مردوں کے ساتھ برابر کا حصہ لیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی سعادت سب سے پہلے جس کو نصیب ہوئی وہ ایک خاتون ہی تھیں، یعنی ہماری، آپ کی اور سب مسلمانوں کی ماں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا۔ وہی تھیں جنھوں نے بارِ نبوّت کو اٹھاتے وقت حضورؐ کے کانپتے ہوئے دل کو تسکین دی، وہی تھیں جو دس سال تک ہر قسم کی سختیوں میں حضورؐ کی بہترین رفیق بنی رہیں، اور انہی کا سرمایہ تھا جس سے مکّی دور میں اسلام کا مشن چلتا رہا۔ نبوّت کے پہلے تین سالوں میں جو ۵۵ اشخاص ایمان لائے تھے ان میں ۹ عورتیں شامل تھیں۔ سات آٹھ برس تک مکّہ میں انتہائی ظلم وستم سہنے کے بعد جو ۸۳ اشخاص اپنا گھر بار چھوڑ کر حبش کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے ان میں ۱۸ عورتیں تھیں، جنھوں نے دین و ایمان کی خاطر جلا وطنی کی مصیبتوں میں اپنے شوہروں اور بھائیوں کا ساتھ

دیا۔ مکّہ میں جن لوگوں نے کفار کے ہاتھوں سب سے بڑھ کر ظلم سہے ان میں اگر بلال رضؓ اور عمار رضؓ جیسے مرد تھے تو اُمِّ عبسؓ، اُمِّ عمارؓ اور زنیرہؓ جیسی عورتیں بھی تھیں۔ اسی طرح مدینے میں جہاں انصار کے مَردوں نے اسلام کی خاطر قربانیاں دیں۔ عورتوں نے بھی ان میں کچھ کم حصّہ نہیں لیا۔ کیا آپ نے اس نیک بخت خاتون کا قصّہ نہیں سُنا جسے جنگِ اُحد کے موقع پر شوہر، باپ اور بھائی کی شہادت کی خبر پہنچی تو اس نے پوچھا مجھے یہ بتاؤ کہ رسُول اللہ تو خیریت سے ہیں؟ اور جب اس نے آپؐ کو بخیریت دیکھ لیا تو کہنے لگی "آپؐ زندہ ہیں تو ہر مصیبت ہلکی ہے"۔ اسی جنگ میں ایک خاتون ام عمارہؓ پانی پلانے کی خدمت کر رہی تھیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ حضورؐ زخمی ہو گئے اور کفار نے آپ پر نرغہ کر لیا تو تلوار سونت کر سامنے آ کھڑی ہوئیں، اور آپؐ کو بچانے کے لیے لڑتی رہیں، یہاں تک کہ شانے پر گہرا زخم کھایا۔ یہ اور ایسے ہی بکثرت واقعات بتاتے ہیں کہ اسلام کی راہ میں جو کچھ مَردوں نے کیا ہے، اس سے کچھ کم عورتوں نے نہیں کیا ہے۔ انہوں نے اس دین کی خاطر ظلم بھی سہے، خطرات بھی مول لیے جان و مال کی قربانیاں بھی دیں، اعزا و اقربا کو بھی چھوڑا، جلا وطنی اور فقر و فاقہ کی تکلیفیں بھی اُٹھائیں، اور اپنے ایماندار باپوں، شوہروں، اور بھائیوں کے ساتھ وفاداری کا حق بھی پوری طرح ادا کیا۔ یہ آپ کی پیش رو خواتین کے کارنامے ہیں جن کی بدولت ابتدا میں اسلام دنیا پر چھایا تھا، اور آج اگر اس دین کو پھر دنیا پر چھانا ہے تو یہ بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ آپ انہی جاں نثار خواتینِ اسلام کے نقشِ قدم پر چلیں اور انہی کی طرح اخلاصِ ایمانی کا ثبوت دیں۔

اس وقت عورتوں کے کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ وہ اپنے گھروں کو اور اپنے خاندان اور اپنے ہمسایوں اور اپنے ملنے جلنے والوں کے گھروں کو شرک و جاہلیت اور فسق سے پاک کرنے کی کوشش کریں، گھروں کی معاشرت کو اسلامی بنائیں، پرانی اور نئی جاہلیتوں کے اثرات سے خود بچیں اور دوسرے گھروں کو بچائیں، ان پڑھ اور نیم خواندہ عورتوں میں علم دین کی روشنی پھیلائیں، تعلیم یافتہ خواتین کے خیالات کی اصلاح کریں، خوش حال گھروں میں خدا سے غفلت اور اصولِ اسلام سے انحراف کی جو بیماریاں پھیلی ہوئی ہیں ان کو روکیں، اپنی اولاد کو اسلام پر اٹھائیں، اپنے گھروں کے مردوں کو، اگر وہ فسق اور بے دینی میں مبتلا ہوں، راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں، اور اگر وہ اسلام کی راہ میں کوئی خدمت کر رہے ہوں تو اپنی رفاقت اور معاونت سے ان کا ہاتھ بٹائیں۔ آگے چل کر اس دین کے لیے آپ کو اور دوسری خدمات بھی انجام دینی ہوں گی اور ان کے لیے آپ کو تیار کرنے کا انتظام بھی انشاء اللہ اپنے وقت پر ہو جائے گا لیکن سر دست آپ کے لیے اس تحریک میں یہی کام ہے اور یہ آپ ہی کے کرنے کا ہے۔

عورت کو سب سے بڑی مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب وہ خود راہِ حق کو پاکر اس پر چلنے کے لیے آمادہ ہو جاتی ہے مگر اس کے گھر کے مرد اس کی راہ میں مزاحم ہوتے ہیں۔ یہ فی الواقع ایک بڑی مشکل صورتِ حال ہے جو بہت کچھ پریشانی کی موجب ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اس معاملہ میں بھی آپ کے لیے انہی خواتین اسلام کا نمونہ قابلِ تقلید ہے جنہوں نے ابتداء میں اس راہِ حق کو اختیار کیا تھا۔ آپ کی پوزیشن خواہ کتنی ہی بے بسی اور کمزوری

کی ہو مگر بہر حال اس حد کو نہیں پہنچتی جس حد تک زمانہ جاہلیت کے عرب میں عورتوں کی پوزیشن گری ہوئی تھی اسی طرح آپ میں سے جن کو بھی ایسے مرد عزیزوں سے سابقہ درپیش ہو، جو اسلام سے برگشتہ یا دعوت اسلامی کے مخالف ہوں، ان کا سابقہ بہر حال بگڑے ہوئے مسلمانوں سے ہے، مگر جن خواتین کا میں ذکر کر رہا ہوں ان کا سابقہ تو کفار اور بدترین دشمنان اسلام سے تھا۔ اس فرق کے باوجود جو کچھ انھوں نے اپنے دین کے لیے کیا، اور جس جرأت اور ہمت اور استقلال کے ساتھ اپنے خاندان کی انتہائی مخالفت اور دشمنی کے مقابلہ میں حق پرستی کا کمال دکھایا وہ ہمیشہ تمام دنیا کی عورتوں کے لیے ایک بہترین نمونہ رہے گا۔ مثال کے طور پر میں آپ کے سامنے چند خواتین کے حالات بیان کردں گا۔

سب سے پہلے تو حضرت خدیجہؓ ہی کو لیجیے۔ ان کے خاندان کے زیادہ تر لوگ اسلام کے سخت دشمن تھے۔ خصوصیت کے ساتھ ان کا حقیقی بھائی نوفل ان کا چچازاد بھائی اسود بن مطلب، اور اسود کا بیٹا زمعہ، یہ لوگ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں ابوجہل کے دست راست تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ حضورؐ کی رفاقت اور پشت پناہی کرتی رہیں، اور خود اپنے میکے والوں کی دشمنی کی انہوں نے ذرّہ برابر پرواہ نہیں کی۔

حضرت ام سلمہؓ کو دیکھیے ان کے ایک چچا کا بیٹا ابوجہل تھا۔ دوسرا چچا ولید بن مغیرہ اور اس کے بیٹے خالد بھی اسلام کے سخت دشمن تھے۔ ان کا اپنا حقیقی بھائی عبداللہ بن امیہ اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں سرگرم تھا۔ مگر

اس کے باوجود وہ بہادر خاتون اسلام لائیں اور جب خاندان والوں نے بہت زیادہ تنگ کیا تو گھر بار اور خاندان کو چھوڑ کر حبش کی طرف ہجرت کر گئیں۔

حضرت فاطمہؓ بنت خطاب کی مثال لیجئے۔ان کا باپ خطاب اور ان کا ماموں ابوجہل دونوں اسلام کی دشمنی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ان کے سگے بھائی حضرت عمر بھی زمانہ کفر میں اسلام کی دشمنی اور مسلمانوں پر ظلم کرنے میں کسی سے کم نہ تھے، باپ، بھائی اور ماموں کے اس رویہ سے واقف تھیں۔پھر بھی وہ اپنے شوہر کے ساتھ اسلام قبول کرنے سے نہ جھجکیں۔ حضرت عمر کو جب معلوم ہوا کہ بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو گئے ہیں تو وہ ٹوہ لگانے آئے۔ابھی دروازے ہی پر تھے کہ اندر سے قرآن پڑھنے کی آواز سنی، گھر میں گھس کر بہن اور بہنوئی دونوں کو خوب مارا، یہاں تک کہ لہولہان ہو گئیں، مگر اس اللہ کی بندی نے بھائی سے صاف کہہ دیا کہ چاہے تم مار ڈالو۔ یہ حق جو میں پا چکی ہوں اسے چھوڑ نہیں سکتی۔اس پر بھائی کا دل کچھ پسیجا اور اس نے کہا لاؤ ذرا میں بھی تو سنوں کہ وہ چیز کیا تھی جو تم دونوں پڑھ رہے تھے۔ بہن نے قرآن کے اوراق نکال کر سامنے رکھ دیئے۔ جن میں سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ بھائی نے پڑھنا شروع کیا اور جوں جوں پڑھتا گیا حق کی تاثیر دل میں اترتی چلی گئی۔یہاں تک کہ جب سورۃ ختم ہوئی تو وہی دل، جو ابھی تھوڑی دیر پہلے تک کفر اور بغض اسلام سے بھرا ہوا تھا، ایمان سے لبریز ہو گیا۔ اِس طرح ایک عورت ہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ عمرؓ فاروق جیسے عظیم الشان انسان کو اسلام کے دائرے میں لائی جس کا نام تاریخ اسلام میں ہمیشہ ہمیشہ

درخشاں رہے گا۔

سب سے زیادہ سبق آموز مثال حضرت ام حبیبہؓ کی ہے۔ جو بنی اُمیہّ کے اس خاندان سے تھیں جس کا بچّہ بچّہ اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں سانپ اور بچھّو بنا ہوا تھا۔ ان کا باپ ابوسفیان وہ شخص تھا جو مسلسل ۲۱ سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف برسرپیکار رہا، ان کی ماں ہندؔ بنت عتبہ وہ عورت تھی جو جنگ احد میں حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبا گئی تھی، ان کی پھوپھی ام جمیؔل، ابولہبؔ کی جورو، وہی عورت تھی جسے قرآن میں حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ کا خطاب دیا گیا ہے۔ ان کا نانا عتبہ بن ربیعہ قریش کے ان سرداروں میں سے تھا جو اسلام کی دشمنی میں سب سے پیش پیش تھا۔ اندازہ کیجئے کہ ایسے خاندان کی لڑکی کا اسلام قبول کرنا کس قدر مشکل تھا۔ مگر آپ کو تعجب ہوگا کہ مکّہ کے ابتدائی پانچ سالوں میں جو لوگ ایمان لائے تھے ان میں ایک امّ حبیبہؓ بھی تھیں۔ ان کے ساتھ ان کے شوہر نے بھی اسلام قبول کیا اور دونوں خوب ستائے گئے۔ دو تین سال بعد مجبور ہوکر انہیں اپنے شوہر کے ساتھ حبش کی طرف جانا پڑا۔ وہاں جاکر شوہر عیسائی ہوگیا اور اس شیر دل خاتون نے جہاں ایمان کی خاطر ماں، باپ اور بھائی بہنوں کو چھوڑا تھا، اس مرتد شوہر کو بھی چھوڑ دیا۔ اب غریب الوطنی کی زندگی میں ایک بچّی کے ساتھ رہ گئیں، مگر ان کے عزم اور ایمان کی مضبوطی میں ذرا فرق نہیں آیا۔ انہی بلند ایمانی اوصاف کا انعام جو خدا نے ان کو اس شکل میں دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے لیے منتخب فرمایا، اور حبش ہی میں ان کا غائبانہ نکاح حضورؐ کے ساتھ پڑھایا

گیا۔ جنگ خیبر کے زمانہ میں یہ حبش سے واپس ہو کر مدینہ پہنچیں۔ اس کے تھوڑے دنوں بعد ان کا باپ ابوسفیان صلح کی بات چیت کے لیے مدینہ آیا اور اس نے چاہا کہ بیٹی سے مل کر صلح کے معاملہ میں اس سے بھی مدد لے۔ بارہ تیرہ سال کی جدائی کے بعد پہلا موقع تھا کہ بیٹی اور باپ مل رہے تھے مگر آپ کو یہ سُن کر حیرت ہو گی کہ کافر باپ جب مسلمان بیٹی کے ہاں گیا، اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرش پر بیٹھنے لگا تو بیٹی نے دوڑ کر فرش کھینچ لیا، اور باپ سے کہا کہ "میں رسُول اللہؐ کے فرش پر ایک دشمنِ اسلام کو بیٹھنے کی اجازت نہیں دے سکتی!"

یہ ہیں سچّی اور مسلمان عورتوں کے اوصاف، اور اگر آپ کو اپنی نجات درکار ہے تو یہی اوصاف آپ کو بھی اپنے اندر پیدا کرنے ہوں گے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ والدین ہوں یا بھائی بہن، یا شوہر یا اولاد، کسی کا حق بھی آپ کے اُوپر خدا اور رسول سے بڑھ کر یا ان کے برابر نہیں ہے۔ کوئی بھی اس کا مستحق نہیں ہے کہ اس کو خوش کرنے اور راضی رکھنے کے لیے آپ خدا اور رسُول کی نافرمانی کریں۔ کوئی آپ کو خُدا اور اس کے رسُول اور اس کے دین سے بڑھ کر یا برابر عزیز نہ ہونا چاہیئے اور کسی کا خوف بھی آپ کے دل میں اس حد تک نہ ہونا چاہیئے کہ آپ اس سے ڈر کر خدا سے نڈر ہو جائیں۔ یہ کیفیت اگر آپ کے اندر پیدا ہو جائے تو دین کا راستہ آپ کے لیے آسان ہو جائے گا اور کوئی طاقت آپ کو راہِ حق سے نہ روک سکے گی نہ ہٹا سکے گی۔

ہدایات

لاہور کے، ایک مقامی اجتماعِ خواتین میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے کارکن خواتین کو چند ہدایات دی تھیں، ان میں سے خاص خاص ہدایات افادۂ عام کے لیے یہاں درج کی جا رہی ہیں:۔

● چونکہ ہمیں ہر کام مسلمان کی حیثیت سے اور مسلمان رہ کر ہی انجام دینا ہے اس لیے میں آپ کو پہلی ہدایت یہ دیتا ہوں کہ جو کچھ کیجئے ان حدود اور ذمہ داریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو اسلام نے آپ کے لیے مقرر کی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک مسلمان عورت اپنی نقل و حرکت میں وہ آزادی نہیں برت سکتی جو ایک غیر مسلم عورت برت سکتی ہے۔ پھر جس طرح مَرد سے اسلام کا یہ مطالبہ ہے کہ اپنے اہل و عیال اور دُوسرے حق داروں کے حقوق بھی ادا کرے اور ان کے ساتھ اپنے دین کے حقوق بھی ادا کرے، اسی طرح اسلام عورتوں سے بھی یہ مطالبہ کرتا ہے کہ جو حقوق ان کے شوہر، باپ، بھائی، اولاد اور دوسرے لوگوں کے ہیں ان کو بھی ٹھیک ٹھیک ادا کرے۔ ایک غیر مسلم کے لیے تو یہ ممکن ہے کہ وہ جس طرف جُھک گیا جُھک گیا اور دُوسری ساری ذمہ داریوں سے منہ پھیر لیا، لیکن اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا یہاں نہ افراط کی گنجائش ہے نہ تفریط کی، بلکہ ہر ایک کا جو حق ہے اسے ادا کرنا ہوگا۔

● اور دُوسری بات آپ یہ سمجھ لیجئے کہ ہر شخص سے اسلام کا مطالبہ اس کی استطاعت کے مطابق ہے۔ مالدار سے اس کا کچھ اور مطالبہ ہے اور نادار سے

کچھ اور۔ صحت منداور توانا آدمی سے اس کا مطالبہ اور ہے اور بیمار اور ناتواں سے کچھ اور۔ عالم کی ذمہ داریاں اس کے نزدیک کچھ اور ہیں اور کم علم اوران پڑھ لوگوں کی کچھ اور۔ اسی طرح جس عورت پر گھر اور بچوں کی اور دوسرے حقداروں کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں اس سے اسلام کا وہ مطالبہ نہیں ہے جو اس عورت سے ہے جس پر ذمہ داریاں کم ہیں، آپ میں سے ہر ایک کو خود اندازہ کرنا چاہیئے کہ فی الواقع اس کی استطاعت کتنی ہے، اور پھر اسی لحاظ سے صرف اتنا کام اپنے ذمہ لینا چاہیئے جتنا وہ شرعی ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے انجام دے سکے۔ آپ کے اندر تبلیغ کا جو مبارک جذبہ پیدا ہوگیا ہے اس کی میں دل سے قدر کرتا ہوں۔ مگر اس کے ساتھ میں آپ کو مشورہ دُوں گا کہ اپنے اندر وہ اعتدال پیدا کیجئے جو مزاجِ مومن کا امتیازی خاصہ ہے۔ ایک مسلمان عورت پر اصل ذمہ داری اس کی اپنی ذات کی، اس کے بال بچوں اور اس کے گھر کی، اور اس کے خاندان کی ہے۔ سب سے پہلے اسے ان کی طرف توجہ کرنی چاہیئے اور انہیں مُسلمان بنانا چاہیئے۔ آپ اِسلام کو سمجھیں، اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو بدلیں، اپنے گھروں کو ہر قسم کی جاہلیت سے پاک کریں، اپنے بچّوں کی صحیح تربیت کریں، اپنے قریبی عزیزوں کو اسلام کی طرف لائیں۔ پھر اپنی برادری کے لوگوں میں سے جن جن کے ساتھ آپ شرعی حدود کے اندر رہ کر مل سکیں ان کے اندر سے جاہلیت کے اثرات نکالیں اور ان کو اسلام سے روشناس کرائیں۔ پھر آپ کا میل جول جن خاندانوں سے ہو اور آپ کے ہمسائے میں جو لوگ بستے ہوں ان کی طرف بھی توجہ کریں اور ان کی مستورات کے ذریعہ سے

کوشش کریں کہ اسلام کی روشنی ان کے گھروں میں بھی پھیلے۔

● اس دائرے سے باہر کام کرنے کے لیے کچھ حدود ہیں۔ سن رسیدہ عورتوں کو تو اسلام اجازت دیتا ہے کہ وہ باہر دوسری عورتوں سے ملیں اور ان کی اصلاح کریں، لیکن جوان لڑکیوں کو اسلام آزاد پھرنے کی اجازت نہیں دیتا، اُن کو اُن حدود کے اندر رہنا چاہیے جو اسلام نے ان کے لیے مقرر کر دی ہیں۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہماری عورتوں میں تبلیغ و اشاعت کے نام سے وہ جاہلیت پھیلے جسے دُور کرنے اور مٹانے کے لیے ہم اُٹھے ہیں۔

● جو خواتین کام کرنا چاہیں وہ اپنے پاس لٹریچر رکھیں جس حد تک ان کے اپنے ذرائع اجازت دیں وہ خود خریدیں اور جب ضرورت ہو تو جماعت اسلامی کے کسی قریبی دارالمطالعہ سے کتابیں منگوالیا کریں۔ جو خواتین پڑھی لکھی ہوں انھیں لٹریچر پڑھایا جائے، جو اَن پڑھ ہوں اُن کو تعلیم دینے اور لٹریچر سُنانے کا بندوبست کیا جائے۔

● خواتین کے اجتماعات کے سلسلے میں میں نے بہت غور کیا ہے میرا خیال ہے کہ ان کے لیے بار بار اجتماعات میں شریک ہونا ممکن نہیں ہے، اس لیے پورے شہر کی خواتین تو اگر دو یا تین ماہ میں ایک مرتبہ جمع ہو جایا کریں تو کافی ہوگا۔ البتہ محلّہ کی عورتیں ہر ہفتہ یا ہر پندرہ روز میں کسی ایک جگہ جمع ہو کر اپنے کام کا جائزہ لے لیا کریں۔ اس پر تنقید کر لیا کریں، اپنی مشکلات کو حل کرنے کی تدابیر سوچ لیا کریں اور مل کر کام کا پروگرام تجویز کر لیا کریں۔

چند اہم سوالات اور اُن کے جوابات

(ٹونک میں خواتین کے اجتماع کے موقعہ پر بعض بہنوں نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے کچھ سوالات بھی دریافت کیے تھے۔ چونکہ یہ سوالات اور ان کے جوابات خواتین کے مسائل سے متعلق اور اہم معلومات پر مشتمل ہیں اس وجہ سے انھیں بھی نمبروار ذیل میں درج کیا جا رہا ہے)۔

عورتوں کو اپنے حدود کے اندر رہتے ہوئے تبلیغ کس طرح کرنی چاہیئے؟

تبلیغ کے لیے کوئی مصنوعی طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اصل تبلیغ یہ ہے کہ انسان جس اصول اور مسلک پر ایمان رکھتا ہو اس کا نمونہ خود ہی اپنی زندگی میں پیش کرے، اور اپنے کسی قول و عمل سے اس کے خلاف شہادت نہ دے، اس کے ساتھ اگر آدمی زبان اور قلم سے دوسروں کو سمجھانے اور نصیحت کرنے کی کوشش کرے تو وہ مفید ہو سکتی ہے۔ انسانی فطرت کا خاصّہ یہی ہے کہ وہ کسی اصول سے اسی قدر متاثر ہوتی ہے جس قدر پختہ اس کے علم برداروں پر ایمان ہو۔ اپنے اصول کے معاملہ میں کسی سے کوئی مصالحت نہ کیجیے، اگر آپ دوسروں کے اثر سے دباؤ قبول کرنے لگیں تو پھر دوسرے آپ کو دباتے ہی چلے جائیں گے، اصول پرستی اور مصالحت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اپنے اصول کے معاملہ میں ہم کسی رواداری کے قائل نہیں —— اگر دوسروں کو ہماری حق پرستی اور راست روی پسند نہیں تو آخر ہم ان کی غلط روی کا کیوں لحاظ کریں، غلط رو اور غلط کار لوگوں سے مصالحت، رواداری نہیں بلکہ کمزوری اور دینی بے غیرتی ہے، البتہ یہ لحاظ رہے کہ اپنے اصول کی پابندی میں آپ جس قدر سخت ہوں اسی قدر آپ کو اپنے اصولوں کے پیش کرنے اور

مخالفین ومعترضین کو جواب دینے میں نرم اور شیریں ہونا چاہیئے ؛
عورت کو شادی سے پہلے والدین اور بھائیوں کی اور شادی کے بعد شوہر اور سسرال کے بزرگوں کی اطاعت کرنی پڑتی ہے، اگر ہم اپنی زندگی کو بالکل بدل لیں اور غلط راہوں پہ چلنے سے انکار کر دیں اور اصلاح کی عملاً کوشش کرنے لگیں، تو ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ ہماری مزاحمت کریں، ایسے حالات میں اُن کے ساتھ ہمیں کیا سلوک کرنا چاہیئے ؟ والدین اور شوہر کے حقوق پر اسلام نے بہت زور دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی کسی پر کوئی اصلی اور ذاتی حق نہیں رکھتا، انسان پر اور اس کائنات کی سب دوسری چیزوں پر اصل حقوق صرف اللہ تعالیٰ کے ہیں، دوسروں کو جو حقوق حاصل ہیں وہ اصلی حقوق نہیں ہیں بلکہ وہ خدا کے عطا کیے ہوئے حقوق ہیں۔ والدین، بھائی، بہن، شوہر اور تمام دوسرے رشتہ داروں کے حقوق بس وہی اور اسی قدر ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیے ہیں، ان سے زیادہ وہ کوئی اور حق نہیں رکھتے اور ان کے یہ حقوق اللہ کے حقوق کے تحت اور اس کے مقرر کردہ حدود کے اندر ہی ادا کیے جا سکتے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی اپنے قول یا فعل سے یہ مطالبہ کرے کہ خدا کی مرضی اور اس کا قانون خواہ کچھ ہو تم کو میری بات ماننی پڑے گی تو اس کی اطاعت کیا معنی اس سے بغاوت شرعاً لازم ہو جاتی ہے، اگر خدا کی نافرمانی میں آپ نے کسی کی اطاعت کی تو آپ کا ایمان ہی سرے سے مشتبہ ہو جائے گا، ہاں اللہ اور رسولؐ نے والدین، شوہر اور دوسرے حق داروں کے جو حقوق مقرر کر دیے ہیں وہ ایک مسلمان عورت کو دوسری عورتوں سے زیادہ اچھی طرح ادا کرنے

چاہئیں اور اس بات کی پروا کیے بغیر ادا کرنے چاہئیں کہ دوسرا خود ان کے حقوق کو کہاں تک ادا کر رہا ہے۔ حتی الوسع کوئی بدمزگی نہ پیدا ہونے دی جائے اپنی زبان اور جذبات پر قابو رکھا جائے اور اپنے اصولوں میں پوری سختی، لیکن کلام اور اخلاق میں انتہائی نرمی برتی جائے ؛

ہمیں تقریر کس طرح کرنی چاہیئے تاکہ زیادہ سے زیادہ بہنیں متاثر ہوں؟

جن مستورات کو اللہ تعالیٰ نے تقریر کی صلاحیت بخشی ہے اُن کو چاہیئے کہ ہمارے لٹریچر کو غور سے پڑھیں، جب خیالات اور ذہن صاف ہو جائیں گے تو تقریر کا ڈھنگ خود بنتا جائے گا۔ "خطبات" سے اس سلسلہ میں خاص طور پر مدد لی جاسکتی ہے، اندازِ بیان آسان سے آسان اور صاف ہو تاکہ کم سے کم لیاقت کا آدمی بھی آپ کی بات سمجھ سکے، مخاطب لوگوں کے ذہن اور خیالات کا لحاظ نہایت ضروری ہے، ابتداءً کچھ غلطیاں ہوں تو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ دوسرے سارے کاموں کی طرح یہ کام بھی کرنے سے ہی آتا ہے ؛

سنیما جو آج کل وبا کی طرح پھیلا ہوا ہے اسے دیکھنا کہاں تک جائز ہے؟ کیونکہ بعض کھیل اصلاحی اور سبق آموز بھی ہوتے ہیں۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سنیما دیکھنا کسی حد تک بھی جائز نہیں، اس سے بالکل پرہیز کیا جائے، جن فلموں کو عام طور پر تعلیمی اور اخلاقی کہا جاتا ہے ان میں بھی بداخلاقی کے جراثیم موجود ہوتے ہیں، جب تک یہ فن ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جن کے نزدیک اخلاق کی سرے سے کوئی قدر و قیمت ہی نہیں اس وقت تک کہیں کوئی لکیر نہیں کھینچی جاسکتی کہ اس حد تک تو آپ

اس سے فائدہ اٹھائیں اور فلاں مقام سے آگے نہ بڑھیں ۔ میں نے آج تک نہیں دیکھا کہ سنیما سے کسی نے کوئی سبق سیکھا ہو، بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ جس شخص کے اندر کوئی اخلاقی حس موجود ہو وہ ان مناظر کو نہیں دیکھ سکتا اور نہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں، بھائیوں اور بہنوں کا انھیں دیکھنا گوارا کر سکتا ہے جو سنیما میں عام طور پر پیش کیے جاتے ہیں ۔

اگر اللہ تعالیٰ کوئی وقت لایا اور اقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں منتقل ہوا جو خدا پرستی اور خدا پرستانہ اخلاق کے پابند ہوں تو وہ انشاء اللہ دوسرے فنون کے ساتھ اس فن کو بھی مسلم اور مومن بنائیں گے اور پھر یہ دیکھنے کے قابل ہوگا۔ اگر سنیما کا فی الواقع صحیح استعمال کیا جائے تو اس کے ذریعہ سے عوام کو موجودہ زمانے کے عام کالجوں کی تعلیم کے برابر معلومات بہت آسانی سے دی جا سکتی ہے۔ وقت آنے پر ہم انشاء اللہ دنیا کو یہ کر کے دکھائیں گے، لیکن اس وقت، جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں سنیما بینی کو قطعاً ترک کر دینا چاہیئے ۔

عورتوں کا لباس کس قسم کا ہونا چاہیئے ، برقع اوڑھ کر باہر نکلنا کس حد تک اور کن حالات میں جائز ہے ؟

"پردہ"[1] میں اس کی تفصیلات موجود ہیں ، وہاں سے دیکھ لی جائیں ۔ دہلی، یو۔پی اور بھوپال میں عورتیں جیسے چست لباس عام طور پر پہنتی ہیں وہ جائز نہیں خواہ وہ موٹے کپڑے کے ہی بنے ہوئے ہوں، ضرورت کے وقت برقع

---

[1] مصنف، سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ ، ناشر، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۶

پہن کر گھر سے باہر نکلنا درست ہے لیکن شوخ رنگ کے ریشمی برقعے جو آج کل رائج ہیں ان کا استعمال درست نہیں، برقعے اور چادر جسم اور زینت کے چھپانے کے لیے ہیں نہ کہ انہیں نمایاں کرنے کے لیے۔ پردے کی شرعی حدود معلوم نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے ایک گروہ نے تو اس قدر آزادی اختیار کرلی کہ اپنی عورتوں کو نیم برہنگی کی حد تک لے گئے اور دوسرے گروہ نے انھیں گھر کی چار دیواری میں اس طرح قید کر دیا کہ صوبہ بہار میں مسلمانوں کے قتلِ عام کے وقت بھی ان کی عورتیں ڈولی کے بغیر گھر سے نہ نکل سکیں۔ یہ دونوں طریقے غلط ہیں، دنیا کے حالات تو اب ایسے ہو رہے ہیں کہ عورتوں کو اس کے لیے تیار ہونا چاہیئے کہ وقتِ ضرورت اپنی حفاظت خود کر سکیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکیں، اور مصیبت کے وقت مردوں کے لیے بار اور رکاوٹ بننے کے بجائے اُن کی قوت میں اضافہ کرنے کا موجب ہوں میں تو یہ بھی مشورہ دوں گا کہ بھائی اپنی بہنوں کو، اگر ممکن ہو سکے تو گھروں کے اندر سائیکل کی سواری بھی سکھا دیں تا کہ ضرورت کے وقت اس سے کام لیا جا سکے۔

کیا عورت پردہ میں رہ کر ضرورت کے وقت غیر مرد سے بات کر سکتی ہے؟

ہاں ضرورت کے وقت عورت پردے میں رہ کر دوسرے مرد سے بات کر سکتی ہے، لیکن لہجے میں لوچ اور ملائمت نہیں ہونی چاہیئے مبادا کہ شیطان اس کے دل میں کوئی غلط توقع پیدا کر دے، حضرت عائشہؓ نے مردوں کو درس بھی دیا ہے۔ ایک موقع پر خطبہ بھی دیا اور فوجوں کو احکام بھی دیے۔ دوسرے مسائل

کی طرح اس میں بھی اعتدال کی راہ ہی صحیح ہے کہ عام آزادی بھی نہ ہو اور یہ بھی نہیں کہ ضرورت کے وقت بھی کسی سے بات نہ کی جائے ؛

حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنکھوں کا زِنا غیر مرد کو دیکھنا ہے، اور اکثر غیر مرد پر نگاہ پڑ جاتی ہے، یہ گناہ قابل معافی ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ پر "پردہ" میں بحث کی گئی ہے، وہاں دیکھ لی جائے۔ دراصل مَردوں کے عورتوں کو دیکھنے پر جو پابندی ہے وہ پابندی عورتوں کے مَردوں کو دیکھنے پر نہیں ہے۔ اگر عورت پردہ کر کے نکلے گی تو ظاہر ہے کہ اسے راستہ دیکھنا ہوگا اور اس سے اس کی نظر مردوں پر بھی پڑے گی، عورت کا جو دیکھنا منع اور زنا ہے وہ بُری نظر سے دیکھنا ہے ؛

بعض عورتیں گنڈے اور تعویذوں کو بہت اہمیت دیتی ہیں اور اس کے لیے تاویل کرتی ہیں کہ جس طرح نظر جھکوانا جائز ہے اسی طرح یہ بھی درست ہے۔

آج کل جو تعویذ اور گنڈے ہوتے ہیں وہ اکثر و بیشتر مشرکانہ اور شیطانی ہوتے ہیں، ان میں سے جو بظاہر قرآنی کہے جاتے ہیں ان میں بھی اکثر و بیشتر دیکھا گیا ہے کہ کچھ نہ کچھ تحریف ضرور ہوتی ہے اس لیے ان سے احتراز کرنا چاہیئے، دوسرے صحیح اور قرآنی تعویذوں کو بھی دُعا کی حیثیت میں ہی رکھنا چاہیئے، ان کے متعلق یہ اعتقاد رکھنا کہ ان سے لازماً آرام ہو جائے گا درست نہیں ہے۔ صحت و تندرستی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اس کے لیے اسی سے دُعا کرنی چاہیئے۔ تعویذ اور گنڈوں کی طرف رجوع کرنا عام طور پر بے عمل اور پست ہمت قوموں کا شیوہ رہا ہے اور اب بھی ان کی طرف رجوع کرنے والے ایسے ہی لوگ ہیں ؛

میلاد النبی میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟ اس میں پیدائش کے ذکر کے وقت کھڑا ہونا کیسا ہے؟

حضورؐ کی سیرت بیان کرنے کے لیے جمع ہونا صحیح بلکہ بہت نیک کام ہے، لیکن اس کی غرض یہ ہونی چاہیئے کہ اس سے سبق لیا جائے۔ مگر یہ میلاد خوانی جو اس وقت رائج ہے، یہ ساری کی ساری جاہلانہ اور مشرکانہ رسُوم پر مشتمل ہے، اور اگر حضورؐ یا صحابہ کے زمانہ میں ہوتی تو اسے حکماً بند کر دیا جاتا۔ جس طرح حضورؐ کی پیدائش کے ذکر کو کوئی شخص بھی پسند نہیں کر سکتا۔

شادی بیاہ کے موقع پر گانا مع ساز کے گایا جاتا ہے اور ان تقاریب میں شریک ہونا پڑتا ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے اور ساز کس قسم کا سُننا جائز ہے؟

ساز بجز دف اور کسی قسم کا جائز نہیں، شادی بیاہ کے موقع پر اگر لڑکیاں بالیاں آپس میں بیٹھ کر کچھ گالیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی اجازت دی ہے لیکن پیشہ ور ڈومنیوں اور طوائفوں کا گانا اور ساز کے ساتھ گانا کسی طرح جائز نہیں۔ ایسی محفلوں سے اجتناب کرنا چاہیئے جہاں شادی میں اس کا انتظام کیا گیا ہو وہاں آپ صرف نکاح اور ولیمہ کے موقع پر شریک ہوں اور باقی تقریبات سے الگ ہو جائیں۔ آپ کا طرزِ عمل یہ ہونا چاہیئے کہ ہم اپنے عزیزوں اور بھائی بندوں کے سب جائز کاموں میں شریک ہوں گے اور ناجائز کاموں سے الگ رہیں گے۔

---

(۲)

دعوتِ اسلامی میں
خواتین کا حصہ

(یہ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کی ایک تقریر ہے جو انھوں نے الٰہ آباد میں خواتین کو مخاطب کرکے فرمائی تھی)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ الْکَرِیْمِ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔

محترم خواتین! مجھے اس بات کی بڑی خوشی ہے کہ اس شہر میں آکر مجھے ماؤں اور بہنوں سے بھی کچھ کہنے کا موقعہ مل رہا ہے۔ اس وقت غلط تعلیم و تربیت اور غلط روایات کے پھیلنے کی وجہ سے ہماری حالت یہ ہوگئی ہے کہ عورتیں جس طرح اپنی روٹی کپڑے کی ذمّہ داری مردوں پر سمجھتی ہیں اسی طرح دین کی ساری ذمہ داریاں بھی مردوں ہی پر خیال کرتی ہیں۔ حالانکہ میں پوری ذمّہ داری کے ساتھ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیائے کرام جو دین لے کر آئے ہیں اس دین کی مخاطب عورتیں بھی اسی طرح ہیں جس طرح مرد ہیں۔ فرائض کے حدود ضرور مختلف ہیں لیکن دین کو اختیار کرنے، دین کو قائم کرنے، حق کی راہ میں جدّ و جہد کرنے، عنداللہ جوابدہ اور مسئول ہونے میں دونوں یکساں ہیں، اور ایسے یکساں کہ اگر کوئی عورت اُن حقوق و فرائض میں جو اللہ کی طرف سے اس پر عائد ہوتے ہیں، کوتاہی کرے گی، تو

خدا کے ہاں اس سے اسی طرح پُرسش ہوگی جس طرح مرد سے اس کی کوتاہیوں پر ہوگی، وہ مسئولیت سے ہرگز نہیں بچ سکتی۔ اگر آپ اپنی تاریخ کو پڑھیں گی تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کس طرح اقامتِ دین کی جدّوجہد میں عورتوں نے مردوں کے برابر حصّہ لیا ہے۔ یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دینِ حق کی دعوت دی تو سب سے پہلے جن لوگوں نے اس دعوت کو قبول کیا ان میں ایک خاتون حضرت خدیجۃؓ الکبریٰ بھی ہیں۔ حالانکہ اس وقت اسلام کو قبول کرنا کوئی سہل کام نہ تھا، بلکہ دنیا جہان کی مصیبتوں کو مول لینا تھا۔ انھوں نے نہ صرف اسلام قبول کرنے میں سبقت کی بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھارس بندھانے والی، غیبی تائید اور حق کی امداد کا یقین دلانے والی، توکّل اور بھروسہ کی تلقین کرنے والی بنیں، انھوں نے سب سے پہلے تسلّی دی، سب سے پہلے دینِ حق کے اس عَلَم کو اُٹھایا، اور ایسی وفاداری اور عشق وشوق کے ساتھ کہ ان کی وفاداری نہ صرف عورتوں، بلکہ مردوں اور تمام نسلِ انسانی کے لیے قابلِ فخر ہے۔ ان کا مال اور ان کا دماغ ودل سب اسلام پر نثار ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات کا سب سے زیادہ غم ہوا، اس لیے نہیں کہ آپؐ کی عزیز بیوی آپؐ سے جُدا ہوگئیں، بلکہ اس لیے کہ دین کا سب سے بڑا جاں نثار دُنیا سے اُٹھ گیا۔

اہلِ حق پر سخت سے سخت دَور آئے۔ کون سی مصیبتیں ہیں جو اُن پر نہیں توڑی گئیں۔ کانٹوں میں گھسیٹے گئے، تپتی ہوئی ریت پر لٹائے گئے، گرم سلاخوں سے داغے گئے، بُری طرح زدوکوب کیے گئے۔ ان مُصیبتوں کو مَردوں کی طرح

عورتوں نے بھی سہا، بلکہ تکلیفیں جھیلنے اور شدائد و مصائب کو برداشت کرنے کی ان سے بہتر مثالیں مرد بھی پیش نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ وہ حق پرست خواتین تھیں جنھیں کسی تدبیر سے بھی رام نہ کیا جا سکا۔ پھر جب وہ وقت آیا کہ مکہ کی فضا اہلِ حق کے لیے بالکل ہی ناسازگار ہو گئی قریش نے مسلمانوں پر خُدا کی زمین تنگ کر دی اور مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو اس میں بھی خواتین شریک تھیں۔ اس کے بعد ہجرتِ مدینہ کا مرحلہ پیش آیا تو جس طرح مَردوں نے اپنے وطن اور اپنے اعزا اور اپنے املاک و اموال کو خیرباد کہا اسی طرح عورتوں نے بھی سارے علائق کو ترک کر کے حق کا ساتھ دیا، اور تاریخ اسلام کے بعد کے صبر آزما مرحلوں میں بھی عورتوں کی قربانی، ان کے استقلال و برداشت اور ان کے اسلام سے تعلق کی ایسی شاندار مثالیں ملتی ہیں کہ اگر ان کو بیان کیا جائے تو داستان بہت طویل ہو جائے گی۔ میرے کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ جب تک عورتیں اپنے درجہ کو ٹھیک ٹھیک سمجھتی تھیں، اور جب تک یہ یقین دلوں میں جاگزیں تھا کہ اسلام کی دعوت کے مخاطب مرد و عورت دونوں ہی ہیں، اور اقامتِ دین کی ذمہ داری میں دونوں برابر کے شریک ہیں، عورتیں راہِ حق کے جانباز سپاہیوں میں تھیں، اس راہ کی پتّھر نہیں بنی تھیں۔ عرب کی معاشرت میں یوں بھی عورت کی منزلت بہت پست تھی، اس لیے مخالفین کو ان پر مظالم توڑنے کی اور بھی زیادہ سہولتیں حاصل تھیں۔ عورتوں نے ان تمام تلخیوں کو گوارا کیا، اور عشقِ حق اور محبتِ رسول کی ایسی روایتیں قائم کیں کہ ان کوشن کر آج بھی دلوں میں گرمی اور ایمان

میں تازگی پیدا ہو جاتی ہے ، احد کے معرکے میں نبی اکرمؐ اور آپؐ کے بہت سے رفقا مواصحاب کو سخت حالات سے دو چار ہونا پڑا ۔اس معرکے میں بعض دُوسری ناگوار افواہوں کے ساتھ یہ خبر بھی پھیل گئی کہ حضورؐ شہید ہوگئے، اس خبر کا مدینہ پہنچنا تھا کہ ایک انصاریہ خاتون گھر سے نکل پڑیں کہ جو وجودِ پاک دینِ حق جاننے کا واحد ذریعہ تھا کیا واقعی وہ بھی دستِ ستم کا نشانہ بن گیا ؟ وہ مدینے سے نکل کر سیدھی میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہو گئیں ۔احد سے واپس آنے والا جو شخص ملتا اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دریافت کرتیں بعض آدمیوں نے ان سے کہا کہ نہایت غم و افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑتی ہے کہ تمہارا نوجوان بیٹا ، تمہارے والد، اور تمہارے شوہر، تینوں جنگ میں شہید ہو گئے ۔ یہ خبر کس قدر صبر آزما تھی ! ایک عورت کا کلیجہ پھاڑ دینے کے لیے ان میں سے کوئی ایک خبر بھی کافی تھی ۔ان کے عزیز ترین سہارے ایک ایک کر کے اس طرح رخصت ہو گئے تھے ۔لیکن ان کا اسلام سے جو تعلق تھا اس کا ذرا اثر دیکھیے ، فرماتی ہیں ، میں باپ ، بھائی اور شوہر کا ماجرا نہیں پوچھ رہی ہوں ۔ یہ بتاؤ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے ؟ انھوں نے بشارت دی کہ الحمد للہ آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچا ۔ بولیں کہ میں اس کو اس وقت تک باور نہیں کر سکتی جب تک روئے مبارک کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں ۔اس کے بعد حضورؐ کو صحیح و سالم دیکھ کر فرمایا کُلُّ مُصِیْبَۃٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ (اے رسول پاکؐ آپ کے ہوتے ہوئے ساری مصیبتیں ہیچ ہیں) یہ ایک واقعہ ہے جو بطور مثال کے میں نے پیش کیا ہے ۔ عورتوں

کی تاریخ بہت روشن ہے، اور اسلام کا ہر دور ایسے بہت سے کارناموں سے معمور ہے۔ تاریخ اسلامی کے اس دور میں بھی جب کہ مردوں کی ایمانی قوت کمزور ہوگئی تھی، ایسی عورتیں مل جائیں گی جن پر مسلمان فخر کرسکتے ہیں۔

اسلام نے اپنے روشن زمانے میں جس قدر جنگیں لڑیں ان میں مردوں نے اگر تیر و خنجر چلائے اور زخم اٹھائے، تو عورتوں نے پائنچے چڑھا کر زخمیوں کو پانی پلایا، ان کی مرہم پٹی کی، ان کی ڈھارس بندھائی، اپنے مال سے اور اپنے زیورات سے دینِ حق کی امداد کی۔ چھوٹی چھوٹی بچیوں نے، جب کہ آپؐ کے نام لینے والے کم تھے، آپؐ کی تعریف کے گیت گائے۔ آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ اے بچیو! کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ ارشاد ہوا "میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں" مردوں میں سے کس گروہ کو یہ شرف حاصل ہوسکا؟

یہ اس دور کا حال تھا جب عورتیں جانتی تھیں کہ مرد و عورت دونوں دینِ حنیف کے یکساں حامل اور یکساں مخاطب ہیں۔ اس وقت تک ہر وہ چیز جو راہِ حق میں عائق بنی، خواہ وہ کتنی ہی عزیز و محبوب کیوں نہ ہو، اس کو انھوں نے ٹھکرادیا۔ محبوب سے محبوب شوہر، جس کا رشتہ دینِ حق سے استوار نہ ہوتا، ان کی نگاہ میں مبغوض ہو جاتا۔ غریب سے غریب اور مفلس سے مفلس شوہر کو محض حق پرستی کی بنا پر انھوں نے محبوب بنایا۔ عورتوں نے اس چیز میں کبھی پست ہمتی نہیں دکھائی۔ شوہر نے اگر دینِ حق سے اعراض کیا تو مسلمان عورت نے اس سے اپنا دامن چھڑالیا۔ بیٹوں تک کے رشتے انھوں نے

دین کی خاطر توڑ ڈالے۔

اِسلام کا اثر اُن کے قلوب پر اس حد تک تھا کہ ان کی ساری نفرت و محبت للّٰہ و فی اللّٰہ تھی۔ ماؤں کے لیے ان کے بیٹوں کا دولت مند ہونا قابلِ ذکر چیز نہ تھی، اگر وہ خدا کی فرماں برداری کے جذبے سے سرشار نہ ہوں کسی شوہر کا بڑے سے بڑا ایثار ان کی نظر میں کوئی وقعت نہ رکھتا تھا، اگر وہ مومن نہیں ہے، اور محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں ہے۔ یہ اس روشن دَور کی روداد ہے جب کہ عورتوں کو یہ احساس تھا کہ وہ بھی دینِ حق کے قائم کرنے کی ذمہ دار ہیں۔

اب دیکھئے کیسی کایا پلٹ گئی ہے۔ آج سمجھ لیا گیا ہے کہ جس طرح نان و نفقہ کی ذمہ داری مرد پر ہے اسی طرح دین کے لیے جدّوجہد کرنا بھی مرد ہی کا فریضہ ہے۔ ان کی پہلی غلطی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو شریعت الٰہی کا مخاطب نہیں سمجھتیں، حالانکہ محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے دعوت مردوں اور عورتوں کو یکساں دی ہے۔ اس غلط تصوّر نے ہماری اسلامی زندگی تہس نہس کر ڈالی ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ عورتیں درحقیقت سوسائٹی کے تمام معائب و خرافات اپنے اندر اور اپنے بال بچّوں اور شوہروں کے اندر پھیلانے کا ذریعہ بن گئی ہیں، اور اگر انھیں ناگوار نہ ہو تو ذرا صاف الفاظ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ موجودہ طاغوتی دَور میں عورتوں نے شیطان کی ایجنسی لے رکھی ہے۔ تمام وہ وبائیں جو سوسائٹی میں پھیلتی ہیں اُنہیں بُری طرح متاثر کرتی ہیں، اور ان سے ان کی نسلوں اور ان کی اولادوں میں پھیلتی ہیں۔ دیہاتوں میں

حالات کچھ مختلف ہیں مگر شہروں کے حالات بالعموم یہی ہیں۔

عورت کے بگڑنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام نسل کی ذہنی و اخلاقی حالت مسموم ہو جاتی ہے۔ کوئی ماں اپنے بچے کے مُنہ میں صرف دودھ ہی نہیں ڈالتی بلکہ اس کے ساتھ اپنے اخلاق کی رُوح بھی اُس کی رگ رگ کے اندر اُتارتی ہے۔ اگر اس کے اندر رُوحِ دین کمزور ہے، اخلاقِ انسانی اور حسِ ایمانی مُردہ ہے، تو اس سے زیادہ زہریلے جراثیم بچے میں سرایت کر جائیں گے جتنے ایک مدقوق ماں کا دُودھ پینے سے ایک بچہ کے اندر پہنچ جاتے ہیں۔

صیح اسلامی تربیت کا اصلی سرچشمہ اور بہترین ذریعہ ہماری مائیں ہیں۔ جب تک ہماری مائیں حضرت اسمارؓ کے نمونہ کی تقلید نہ کریں گی، کس طرح عبداللہ بن زبیرؓ جیسے جانباز پیدا ہو سکیں گے؟ جب تک وہ راہِ حق میں سولی پر چڑھ جانے والے بیٹے کو دیکھ کر یہ نہ کہیں کہ اچھا ابھی مرکب سے یہ سوار اُترا نہیں!" اس وقت تک دارو رسن کا کھیل کھیلنے والے فرزند ارکن کی کوکھ سے جنم لیں گے؟ انہیں محترم خاتون سے، جب کہ یہ اپنی بینائی کھو چکی تھیں، بیٹے نے آ کر آزمائش کے طور پر پوچھا " ماں میں اپنے آپ کو دشمنوں کے حوالے کر دوں یا معافی مانگ لوں" انھوں نے اپنے کمزور ہاتھوں سے آپ کو پکڑا اور بدن کو چھو کر پوچھا کہ " یہ کیا پہن رکھا ہے؟" انھوں نے عرض کیا " زرہ" فرمایا " راہِ حق کے مجاہدوں کو اس قسم کے پردوں کی ضرورت نہیں، اسے اُتار دو اور راہِ حق میں سینہ سپر ہو کر لڑو، کہ کل کو تمہارے دشمنوں کو تم پر ہنسنے کا کوئی موقع نہ ملے۔"

ہم صرف ایک ہاتھ سے دینِ حق کی عمارت قائم نہیں کر سکتے۔ اس میں دُوسرے ہاتھ یعنی عورت کا تعاون ضروری ہے۔ ہماری نسلوں کی پہلی تربیت گاہ ماں کی آغوش ہے۔ ماں کی چھاتی کے ایک ایک قطرۂ شیر کے ساتھ بچّہ جذبات و حسّیات اور اخلاق بھی اپنے اندر جذب کرتا ہے، اور اس کی ایک ایک ادا سے عمل کے طریقے سیکھتا ہے۔ ماں اگر مومنہ مسلمہ ہے تو بچّے بھی مومن و مسلم، ماں اگر ایمان و اسلام سے خالی ہے تو بچّے بھی اسی طرح ایمان و اسلام سے محروم ہوں گے۔ ہم اپنی نسلوں کی تمام اثرات سے حفاظت کر بھی لیں تو یہ بالکل ناممکن ہے کہ ماؤں کے نیک و بد اثرات سے ان کو بچا سکیں۔

مَردوں کی خرابی کے اثرات بھی مہلک ہیں، مگر ان کی خرابی سے ممکن ہے کہ بچنے کی شکلیں پیدا ہو جائیں۔ لیکن عورت کے بگاڑ کے خراب نتائج سے بچنا ناممکن ہے۔ ان کی پیدا کی ہوئی خرابی جڑ کی خرابی ہے۔ شاخوں اور تنوں کی خرابی نہیں ہے۔ اس کا علاج ناممکن ہے۔ اسی وجہ سے ان پر ذمہ داری بہت سخت ہے۔ یہ جو بیماریاں بچّوں کو پلا دیں گی کوئی ماہر سے ماہر طبیب بھی ان کا علاج نہیں کر سکتا۔ جو درخت اپنی نشو و نما کے ابتدائی دَور ہی میں آفت رسیدہ ہو جائے، پھر اس کا تناور درخت ہونا مشکل ہی ہوتا ہے۔ پس عورتوں کا فرض ہے کہ آج ہم دین کو تازہ کرنے کا جو عزم لے کر اُٹھے ہیں، اس کام میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ ہم ان کی شرکتِ عملی کے سخت محتاج ہیں۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم عورتوں کو اب تک براہِ راست

مخاطب کرنے کے وسائل پیدا نہ کر سکے ہیں۔ ماؤں اور بہنوں سے خدا کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ وہ اپنی غفلت کو دُور کریں، اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں۔ یہ چیز ان کے فرائض میں سے ہے کہ وہ سمجھیں کہ اللہ کا دین کیا ہے، خُدا اور محمد صلّی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا ہے۔ ہر ماں، ہر لڑکی اور ہر بہن کا یہ فریضہ ہے۔ پھر ان کے فرائض میں سے یہ بھی ہے کہ ان کے بطن سے جو بچّے پیدا ہوں ان کے اندر صرف دُودھ ہی نہ اتاریں بلکہ اپنے عمل سے، اپنے اخلاق سے اور روز کی زندگی سے ان میں ان تمام اساسات دین کو راسخ کردیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا لب لباب ہیں۔ انہیں اپنی جدّوجہد کے نتائج کی طرف سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ ان کا مرتبہ بہت اُونچا ہے ان کی باتیں بے اثر نہیں رہ سکتی ہیں۔ اپنے بچّوں کو تو وہ باقاعدہ حکم دے سکتی ہیں، اور سعید بیٹے کا فرض ہے کہ وہ اپنی ماں کے حکم کی تعمیل کرے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ کس کی خدمت کروں؟ آپؐ نے فرمایا "ماں کی!" پھر یہی سوال کیا، فرمایا "ماں کی"۔ پھر یہی پوچھا، جواب دیا، "ماں کی!" چوتھی دفعہ پوچھنے پر فرمایا "باپ کی"! لیکن شوہر کے ساتھ بیوی کا تعلق تعاون کا تعلق ہے، اور یہ تعاون دین و دنیا دونوں میں ہے۔ جس طرح گھریلو زندگی میں ایک بیوی کا فرض ہے کہ وہ شوہر کی وفا دار، امانت دار اور خیر خواہ رہے، اسی طرح دینی معاملات میں اس کا فرض ہے کہ وہ شوہر کو نیکی اور بھلائی کے مشورے دے، اور اس کی گمراہیوں پر اس سے زیادہ بے چین ہو جتنا دنیوی معاملات میں اس کی

غلطیوں پر ہوتی ہے ، اور اس کام میں اسے جو دُکھ بھی اُٹھانے پڑیں اُنھیں صبر کے ساتھ برداشت کرے ، لیکن کبھی ٹھنڈے دل سے شوہر کی گمراہیوں کو گوارا نہ کرے ۔ اگر کوئی شوہر نیک ارادہ کرے تو ہرگز ہرگز کوئی عورت محض رسم و رواج کی پابندی کی وجہ سے اس کے ارادۂ حق میں رکاوٹ نہ ڈالے ۔ وہ یہ ضرور معلوم کرے کہ دین حق کی تعلیم کیا ہے ، اور جب معلوم ہوجائے کہ صحیح راستہ پر گامزن ہے تو اس سے تعاون کرے ، اس کی ڈھارس بندھائے ، اس کی حوصلہ افزائی کرے ، عُسر و یُسر ہر حال میں اس کی رفاقت و غمگساری کا یقین دلائے ، حقیقت یہ ہے کہ بغیر اس کی رفاقت کے مرد کے لیے راہ حق کا سفر بہت دشوار ہے ۔ یہی ایک کوچہ ہے جس میں میاں بیوی کی رفاقت سب سے زیادہ مطلوب اور اللہ کو پسند ہے ۔ جو عورت دین حق کی اقامت کی راہ میں مرد کا دست و بازو بنتی ہے ، اس مقصد کی خاطر مصیبتیں جھیلتی ہے ، اور فاقے کرتی ہے ، وہی عورت امہات المومنینؓ اور صحابیاتؓ کے مبارک نمونے پر ہے ، اور جو عورت اس راہ میں پتھر بنتی ہے تو وہ عورت وہ ہے جس نے شیطان کی ایجنسی لے رکھی ہے ۔

ہماری اصلی دولت عورتوں ہی کے پاس ہے ۔ نسلیں انہی کی تحویل میں ہیں ۔ ان کا بٹھایا ہوا نقش قبر تک کھرچنے کے باوجود نہیں چھٹتا ، خواہ وہ نقشِ باطل بٹھائیں یا نقشِ حق ۔ وہ چاہیں تو ان کے فیضِ تربیت سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو ہماری تاریخ کو از سرِ نو روشن کردیں ، اور چاہیں تو اسی طرح کے لوگوں کو جنم دیں جیسے کہ آج کل کے مسلمان ہیں ۔ خیال تو کیجئے کہ کبھی

گنتی کے چند نفوس تھے، لیکن زمین ان کے وجود سے تھرّا اٹھی تھی۔ لیکن آج مردم شماری کے اعتبار سے مسلمانوں کی تعداد کس قدر زیادہ ہے، مگر صفحۂ گیتی کو خبر تک نہیں کہ کوئی اس کی پُشت پر ہے۔ ہمیں خود بتانے کی ضرورت پڑتی ہے کہ ہم موجود ہیں۔ اگر عورتیں حضرت اسماءؓ کے نمونہ پر چلیں گی تب ہی ان فرزندانِ اسلام کو پیدا کر سکیں گی جن کی موجودگی زمین کو محسوس ہوگی، اور وہ پکار کر کہے گی کہ اس کے سینہ پر کوئی اللہ کے راستے کا سوار ہے۔ اگر انھوں نے یہ روش اختیار نہ کی تو دنیا یُونہی پیدا ہوتی اور مرتی رہے گی، مگر وہ لوگ پیدا نہ ہوں گے جن سے اسلام کا بول بالا ہو۔

میں پھر اپنی ماؤں اور بہنوں سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنی روشن تاریخ کو یاد کریں۔ اور اس راہ پر چلنے کی کوشش کریں۔ ہم نے اپنے خدا سے جو مبارک عہد کیا ہے کہ ہم دینِ حق کو اپنے اوپر اور دوسروں پر قائم کریں گے اس میں وہ ہماری مدد کریں۔

میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ مَردوں کو توفیقِ عمل دے اور عورتوں کو اس راہ میں ان کا رفیقِ سفر بنا دے۔ آمین۔

دعوتِ اسلامی
میں
خواتین کا حصّہ
(۱)

(یہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی ایک تقریر ہے جو موصوف نے ٹونک کے اجتماع کے موقع پر خواتین کے روبرو فرمائی تھی)

بہنو! مجھے یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ یہاں خواتین میں بھی اسلامی تحریک مقبول ہو رہی ہے اور آپ نے اس دعوت کو پھیلانے کے لیے اپنا ایک حلقہ منظم کر لیا ہے۔ ہمارے اس کام میں عورتوں کی شرکت اور تعاون کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی مردوں کی شرکت اور تعاون کی ہے۔ انسانی زندگی میں آپ برابر کی حصّہ دار ہیں، اور زندگی کے جو پہلو آپ سے تعلق رکھتے ہیں وہ ان پہلوؤں سے کسی طرح بھی اہمیت میں کم نہیں ہیں جو مردوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس طرح گاڑی کے دو پہیّوں میں سے کوئی بھی اس وقت تک ٹھیک نہیں چل سکتا جب تک دوسرا پہیّہ اس کا ساتھ نہ دے، اسی طرح انسان کی اجتماعی زندگی کا نظام بھی کبھی ٹھیک نہیں چل سکتا جب تک کہ اس کے چلانے میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی برابر کا حصّہ نہ لیں۔ خدا نے اس گاڑی کو بنایا ہی اس طرح ہے کہ یہ دونوں پہیّوں پر حرکت کرتی ہے اور اگر ایک پہیّہ جم جائے یا اُلٹی حرکت کرنے لگے تو تنہا دُوسرا پہیّہ اس کو لے کر زیادہ دُور تک

نہیں گھسیٹ سکتا۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی بنا پر ہر اجتماعی تحریک عورتوں کی شرکت اور تعاون کو اہمیت دینے پر مجبور ہے۔ مگر خصوصیت کے ساتھ اسلامی تحریک تو اس کو بہت ہی زیادہ اہمیت دیتی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ اسلام ٹھیک خدا کی بتائی ہوئی ساخت کے مطابق انسانی زندگی کا نظام درست کرنا چاہتا ہے، جس کے لیے عورتوں کا درست ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا مردوں کا درست ہونا۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام جس خدا کی بندگی کی طرف بلاتا ہے وہ عورتوں کا بھی ویسا ہی خدا ہے جیسا مردوں کا ہے، جس دین کو حق کہتا ہے وہ عورتوں کے لیے بھی ویسا ہی حق ہے جیسا مردوں کے لیے ہے، جس نجات کو مقصود قرار دیتا ہے اس کی ضرورت عورتوں کو بھی ویسی ہی ہے جیسی مردوں کو ہے، جس دوزخ سے وہ بچانا چاہتا ہے وہ عورتوں کے لیے اتنی ہی خوفناک ہے جتنی مردوں کے لیے، اور جس جنت کی امید دلاتا ہے وہ عورتوں کو بھی اپنی ہی کوشش سے مل سکتی ہے جس طرح مردوں کو اپنی کوشش سے۔ اگر کسی مرد کی نجات کے لیے یہ بات کافی نہیں ہو سکتی کہ اس کی بیوی یا ماں یا بہن ایمان لائی تھی اور خدا کی خوشنودی کے لیے کوشش کرتی رہی تھی تو ظاہر ہے کہ کوئی عورت بھی محض اس بنا پر نجات نہیں پا سکتی کہ اس کا شوہر یا باپ یا بھائی ایمان لایا تھا اور اس نے اپنے خدا کو خوش کرنے کے لیے جان کھپائی تھی۔ خدا کے ہاں کوئی شخص کچھ بھی نہیں پا سکتا جب تک

اس نے خود کچھ پانے کی کوشش نہ کی ہو۔ اس لیے اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کو یکساں اپنی اپنی نجات کی فکر ہو، ہر ایک دل وجان سے وہ خدمات بجالائے جو اسے خدا کی سزا سے بچائیں اور اس کے انعام کا مستحق بنائیں۔ کوئی مرد یا عورت اس طرح اپنے آپ کو دوسروں کے ساتھ نہ باندھ لے کہ اسی کے ساتھ بندھے بندھے دوزخ میں جا پہنچے، اور نہ کوئی مرد یا عورت ایسی اندھوں کی سی زندگی بسر کرے کہ اس کے اپنے گھر میں دین و ایمان کی روشنی موجود ہو مگر وہ اس سے فائدہ نہ اٹھائے۔

تحریک اسلامی کی جو تاریخ ہمارے سامنے ہے وہ ہمیں بتاتی ہے کہ ابتداً سے عورتوں نے اس تحریک میں مردوں کے ساتھ برابر کا حصّہ لیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی سعادت سب سے پہلے جس کو نصیب ہوئی وہ ایک خاتون ہی تھیں، یعنی ہماری، آپ کی اور سب مسلمانوں کی ماں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا۔ وہی تھیں جنھوں نے بارِ نبوّت کو اٹھاتے وقت حضورؐ کے کانپتے ہوئے دل کو تسکین دی، وہی تھیں جو دس سال تک ہر قسم کی سختیوں میں حضورؐ کی بہترین رفیق بنی رہیں، اور انہی کا سرمایہ تھا جس سے مکّی دور میں اسلام کا مشن چلتا رہا۔ نبوّت کے پہلے تین سالوں میں جو ۵۵ اشخاص ایمان لائے تھے ان میں ۹ عورتیں شامل تھیں۔ سات آٹھ برس تک مکّہ میں انتہائی ظلم وستم سہنے کے بعد جو ۸۳ اشخاص اپنا گھر بار چھوڑ کر حبش کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے ان میں ۱۸ عورتیں تھیں، جنھوں نے دین و ایمان کی خاطر جلا وطنی کی مصیبتوں میں اپنے شوہروں اور بھائیوں کا ساتھ

دیا۔ مکہ میں جن لوگوں نے کفار کے ہاتھوں سب سے بڑھ کر ظلم سہے ان میں اگر بلال رضؓ اور عمار رضؓ جیسے مرد تھے تو اُمّ عبسؓ، اُمّ عمار رضؓ اور زنیرہ رضؓ جیسی عورتیں بھی تھیں۔ اسی طرح مدینے میں جہاں انصار کے مَردوں نے اسلام کی خاطر قربانیاں دیں۔ عورتوں نے بھی ان میں کچھ کم حصّہ نہیں لیا۔ کیا آپ نے اس نیک بخت خاتون کا قصّہ نہیں سُنا جسے جنگ اُحد کے موقع پر شوہر، باپ اور بھائی کی شہادت کی خبر پہنچی تو اس نے پوچھا مجھے یہ بتاؤ کہ رسُول اللہ تو خیریت سے ہیں؟ اور جب اس نے آپؐ کو بخیریت دیکھ لیا تو کہنے لگی "آپؐ زندہ ہیں تو ہر مصیبت ہلکی ہے"۔ اسی جنگ میں ایک خاتون ام عمارہ رضؓ پانی پلانے کی خدمت کر رہی تھیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ حضورؐ زخمی ہو گئے اور کفار نے آپ پر نرغہ کر لیا تو تلوار سونت کر سامنے آ کھڑی ہوئیں، اور آپؐ کو بچانے کے لیے لڑتی رہیں، یہاں تک کہ شانے پر گہرا زخم کھایا۔ یہ اور ایسے ہی بکثرت واقعات بتاتے ہیں کہ اسلام کی راہ میں جو کچھ مَردوں نے کیا ہے، اس سے کچھ کم عورتوں نے نہیں کیا ہے۔ انہوں نے اس دین کی خاطر ظلم بھی سہے، خطرات بھی مول لیے جان و مال کی قربانیاں بھی دیں، اعزا و اقربا کو بھی چھوڑا، جلا وطنی اور فقر و فاقہ کی تکلیفیں بھی اٹھائیں، اور اپنے ایماندار باپوں، شوہروں، اور بھائیوں کے ساتھ وفاداری کا حق بھی پوری طرح ادا کیا۔ یہ آپ کی پیش رو خواتین کے کارنامے ہیں جن کی بدولت ابتدا میں اسلام دنیا پر چھایا تھا، اور آج اگر اس دین کو پھر دنیا پر چھانا ہے تو یہ بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ آپ انہی جاں نثار خواتینِ اسلام کے نقشِ قدم پر چلیں اور انہی کی طرح اخلاصِ ایمانی کا ثبوت دیں۔

اس وقت عورتوں کے کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ وہ اپنے گھروں کو اور اپنے خاندان اور اپنے ہمسایوں اور اپنے ملنے جلنے والوں کے گھروں کو شرک و جاہلیت اور فسق سے پاک کرنے کی کوشش کریں، گھروں کی معاشرت کو اسلامی بنائیں، پُرانی اور نئی جاہلیتوں کے اثرات سے خود بچیں اور دوسرے گھروں کو بچائیں، ان پڑھ اور نیم خواندہ عورتوں میں علم دین کی روشنی پھیلائیں، تعلیم یافتہ خواتین کے خیالات کی اصلاح کریں، خوش حال گھروں میں خدا سے غفلت اور اصولِ اسلام سے انحراف کی جو بیماریاں پھیلی ہوئی ہیں ان کو روکیں، اپنی اولاد کو اسلام پر اُٹھائیں، اپنے گھروں کے مردوں کو، اگر وہ فسق اور بے دینی میں مبتلا ہوں، راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں، اور اگر وہ اسلام کی راہ میں کوئی خدمت کر رہے ہوں تو اپنی رفاقت اور معاونت سے ان کا ہاتھ بٹائیں۔ آگے چل کر اس دین کے لیے آپ کو اور دوسری خدمات بھی انجام دینی ہوں گی اور ان کے لیے آپ کو تیار کرنے کا انتظام بھی انشاء اللہ اپنے وقت پر ہو جائے گا لیکن سردست آپ کے لیے اس تحریک میں یہی کام ہے اور یہ آپ ہی کے کرنے کا ہے۔

عورت کو سب سے بڑی مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب وہ خود راہِ حق کو پا کر اس پر چلنے کے لیے آمادہ ہو جاتی ہے مگر اس کے گھر کے مرد اس کی راہ میں مزاحم ہوتے ہیں۔ یہ فی الواقع ایک بڑی مشکل صورتِ حال ہے جو بہت کچھ پریشانی کی موجب ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اس معاملہ میں بھی آپ کے لیے انہی خواتین اسلام کا نمونہ قابلِ تقلید ہے جنہوں نے ابتداء میں اس راہِ حق کو اختیار کیا تھا۔ آپ کی پوزیشن خواہ کتنی ہی بے بسی اور کمزوری

کی ہو مگر بہر حال اس حد کو نہیں پہنچتی جس حد تک زمانہ جاہلیت کے عرب میں عورتوں کی پوزیشن گری ہوئی تھی اسی طرح آپ میں سے جن کو بھی ایسے مرد عزیزوں سے سابقہ درپیش ہو، جو اسلام سے برگشتہ یا دعوت اسلامی کے مخالف ہوں، ان کا سابقہ بہر حال بگڑے ہوئے مسلمانوں سے ہے، مگر جن خواتین کا میں ذکر کر رہا ہوں ان کا سابقہ تو کفار اور بدترین دشمنان اسلام سے تھا۔ اس فرق کے باوجود جو کچھ انھوں نے اپنے دین کے لیے کیا، اور جس جرأت اور ہمت اور استقلال کے ساتھ اپنے خاندان کی انتہائی مخالفت اور دشمنی کے مقابلہ میں حق پرستی کا کمال دکھایا وہ ہمیشہ تمام دنیا کی عورتوں کے لیے ایک بہترین نمونہ رہے گا۔ مثال کے طور پر میں آپ کے سامنے چند خواتین کے حالات بیان کروں گا۔

سب سے پہلے تو حضرت خدیجہؓ ہی کو لیجئے۔ ان کے خاندان کے زیادہ تر لوگ اسلام کے سخت دشمن تھے۔ خصوصیت کے ساتھ ان کا حقیقی بھائی نوفل ان کا چچازاد بھائی اسود بن مطلب، اور اسود کا بیٹا زمعہ، یہ لوگ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں ابوجہل کے دست راست تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ حضورؐ کی رفاقت اور پشت پناہی کرتی رہیں، اور خود اپنے میکے والوں کی دشمنی کی انہوں نے ذرہ برابر پرواہ نہیں کی۔

حضرت ام سلمہؓ کو دیکھئے ان کے ایک چچا کا بیٹا ابوجہل تھا۔ دوسرا چچا ولید بن مغیرہ اور اس کے بیٹے خالد بھی اسلام کے سخت دشمن تھے۔ ان کا اپنا حقیقی بھائی عبداللہ بن امیہ اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں سرگرم تھا۔ مگر

اس کے باوجود وہ بہادر خاتون اسلام لائیں اور جب خاندان والوں نے بہت زیادہ تنگ کیا تو گھر بار اور خاندان کو چھوڑ کر حبش کی طرف ہجرت کر گئیں۔

حضرت فاطمہؓ بنت خطاب کی مثال لیجئے۔ ان کا باپ خطاب اور ان کا ماموں ابوجہل دونوں اسلام کی دشمنی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ ان کے سگے بھائی حضرت عمر بھی زمانۂ کفر میں اسلام کی دشمنی اور مسلمانوں پر ظلم کرنے میں کسی سے کم نہ تھے، باپ، بھائی اور ماموں کے اس رویہ سے واقف تھیں۔ پھر بھی وہ اپنے شوہر کے ساتھ اسلام قبول کرنے سے نہ جھجکیں۔

حضرت عمر کو جب معلوم ہوا کہ بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو گئے ہیں تو وہ ٹوہ لگانے آئے۔ ابھی دروازے ہی پر تھے کہ اندر سے قرآن پڑھنے کی آواز سُنی، گھر میں گھُس کر بہن اور بہنوئی دونوں کو خوب مارا، یہاں تک کہ لہولہان ہو گئیں، مگر اس اللہ کی بندی نے بھائی سے صاف کہہ دیا کہ چاہے تم مار ڈالو۔ یہ حق جو میں پا چکی ہوں اسے چھوڑ نہیں سکتی۔ اس پر بھائی کا دل کچھ پسیجا اور اس نے کہا لاؤ ذرا میں بھی تو سُنوں کہ وہ چیز کیا تھی جو تم دونوں پڑھ رہے تھے۔ بہن نے قرآن کے اوراق نکال کر سامنے رکھ دیے۔ جن میں سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ بھائی نے پڑھنا شروع کیا اور جوں جوں پڑھتا گیا حق کی تاثیر دل میں اُترتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ جب سورۃ ختم ہوئی تو وہی دل، جو ابھی تھوڑی دیر پہلے تک کفر اور بُغض اسلام سے بھرا ہوا تھا، ایمان سے لبریز ہو گیا۔

اِس طرح ایک عورت ہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ عمرؓ فاروق جیسے عظیم الشان انسان کو اسلام کے دائرے میں لائی جس کا نام تاریخ اسلام میں ہمیشہ ہمیشہ

درخشاں رہے گا۔

سب سے زیادہ سبق آموز مثال حضرت ام حبیبہؓ کی ہے۔ جو بنی اُمیہّ کے اس خاندان سے تھیں جس کا بچّہ بچّہ اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں سانپ اور بچھو بنا ہوا تھا۔ ان کا باپ ابوسفیان وہ شخص تھا جو مسلسل ۲۱ سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف برسرپیکار رہا، ان کی ماں ہند بنت عتبہ وہ عورت تھی جو جنگ احد میں حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبا گئی تھی، ان کی پھوپھی ام جمیل، ابولہب کی جورو، وہی عورت تھی جسے قرآن میں حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ کا خطاب دیا گیا ہے۔ ان کا نانا عتبہ بن ربیعہ قریش کے ان سرداروں میں سے تھا جو اسلام کی دشمنی میں سب سے پیش پیش تھا۔ اندازہ کیجئے کہ ایسے خاندان کی لڑکی کا اسلام قبول کرنا کس قدر مشکل تھا۔ مگر آپ کو تعجب ہوگا کہ مکّہ کے ابتدائی پانچ سالوں میں جو لوگ ایمان لائے تھے ان میں ایک امّ حبیبہؓ بھی تھیں۔ ان کے ساتھ ان کے شوہر نے بھی اسلام قبول کیا اور دونوں خوب ستائے گئے۔ دو تین سال بعد مجبور ہو کر انہیں اپنے شوہر کے ساتھ حبش کی طرف جانا پڑا۔ وہاں جا کر شوہر عیسائی ہو گیا اور اس شیر دل خاتون نے جہاں ایمان کی خاطر ماں، باپ اور بھائی بہنوں کو چھوڑا تھا، اس مرتد شوہر کو بھی چھوڑ دیا۔ اب غریب الوطنی کی زندگی میں ایک بچّی کے ساتھ رہ گئیں، مگر ان کے عزم اور ایمان کی مضبوطی میں ذرا فرق نہیں آیا۔ انہی بلند ایمانی اوصاف کا انعام جو خدا نے ان کو اس شکل میں دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے لیے منتخب فرمایا، اور حبش ہی میں ان کا غائبانہ نکاح حضورؐ کے ساتھ پڑھایا

گیا۔ جنگ خیبر کے زمانہ میں یہ حبش سے واپس ہو کر مدینہ پہنچیں۔ اس کے تھوڑے دنوں بعد ان کا باپ ابوسفیان صلح کی بات چیت کے لیے مدینہ آیا اور اس نے چاہا کہ بیٹی سے مل کر صلح کے معاملہ میں اس سے بھی مدد لے۔ بارہ تیرہ سال کی جدائی کے بعد پہلا موقع تھا کہ بیٹی اور باپ مل رہے تھے مگر آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ کافر باپ جب مسلمان بیٹی کے ہاں گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرش پر بیٹھنے لگا تو بیٹی نے دوڑ کر فرش کھینچ لیا، اور باپ سے کہا کہ "میں رسول اللہؐ کے فرش پر ایک دشمنِ اسلام کو بیٹھنے کی اجازت نہیں دے سکتی!"

یہ ہیں سچی اور مسلمان عورتوں کے اوصاف، اور اگر آپ کو اپنی نجات درکار ہے تو یہی اوصاف آپ کو بھی اپنے اندر پیدا کرنے ہوں گے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ والدین ہوں یا بھائی بہن، یا شوہر یا اولاد، کسی کا حق بھی آپ کے اوپر خدا اور رسول سے بڑھ کر یا ان کے برابر نہیں ہے۔ کوئی بھی اس کا مستحق نہیں ہے کہ اس کو خوش کرنے اور راضی رکھنے کے لیے آپ خدا اور رسول کی نافرمانی کریں۔ کوئی آپ کو خدا اور اس کے رسول اور اس کے دین سے بڑھ کر یا برابر عزیز نہ ہونا چاہیئے اور کسی کا خوف بھی آپ کے دل میں اس حد تک نہ ہونا چاہیئے کہ آپ اس سے ڈر کر خدا سے نڈر ہو جائیں۔ یہ کیفیت اگر آپ کے اندر پیدا ہو جائے تو دین کا راستہ آپ کے لیے آسان ہو جائے گا اور کوئی طاقت آپ کو راہِ حق سے نہ روک سکے گی نہ ہٹا سکے گی۔

—— ✤ ——

ہدایات

لاہور کے، ایک مقامی اجتماعِ خواتین میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے کارکن خواتین کو چند ہدایات دی تھیں، ان میں سے خاص خاص ہدایات افادۂ عام کے لیے یہاں درج کی جا رہی ہیں:-

● چونکہ ہمیں ہر کام مسلمان کی حیثیت سے اور مسلمان رہ کر ہی انجام دینا ہے اس لیے میں آپ کو پہلی ہدایت یہ دیتا ہوں کہ جو کچھ کیجئے ان حدود اور ذمہ داریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو اسلام نے آپ کے لیے مقرر کی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک مسلمان عورت اپنی نقل و حرکت میں وہ آزادی نہیں برت سکتی جو ایک غیر مسلم عورت برت سکتی ہے۔ پھر جس طرح مَرد سے اسلام کا یہ مطالبہ ہے کہ اپنے اہل و عیال اور دُوسرے حق داروں کے حقوق بھی ادا کرے اور ان کے ساتھ اپنے دین کے حقوق بھی ادا کرے، اسی طرح اسلام عورتوں سے بھی یہ مطالبہ کرتا ہے کہ جو حقوق ان کے شوہر، باپ، بھائی، اولاد اور دوسرے لوگوں کے ہیں ان کو بھی ٹھیک ٹھیک ادا کرے۔ ایک غیر مسلم کے لیے تو یہ ممکن ہے کہ وہ جس طرف جُھک گیا جُھک گیا اور دُوسری ساری ذمہ داریوں سے منہ پھیر لیا، لیکن اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا یہاں نہ افراط کی گنجائش ہے نہ تفریط کی، بلکہ ہر ایک کا جو حق ہے اسے ادا کرنا ہو گا۔

● اور دُوسری بات آپ یہ سمجھ لیجئے کہ ہر شخص سے اسلام کا مطالبہ اس کی استطاعت کے مطابق ہے۔ مالدار سے اس کا کچھ اور مطالبہ ہے اور نادار سے

کچھ اور۔ صحت منداور توانا آدمی سے اس کا مطالبہ اور ہے اور بیمار اور ناتواں سے کچھ اور، عالم کی ذمہ داریاں اس کے نزدیک کچھ اور ہیں اور کم علم اوران پڑھ لوگوں کی کچھ اور۔ اسی طرح جس عورت پر گھر اور بچوں کی اور دوسرے حقداروں کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں اس سے اسلام کا وہ مطالبہ نہیں ہے جو اس عورت سے ہے جس پر ذمّہ داریاں کم ہیں، آپ میں سے ہر ایک کو خود اندازہ کرنا چاہیئے کہ فی الواقع اس کی استطاعت کتنی ہے، اور پھر اسی لحاظ سے صرف اتنا کام اپنے ذمہ لینا چاہیئے جتنا وہ شرعی ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے انجام دے سکے۔ آپ کے اندر تبلیغ کا جو مبارک جذبہ پیدا ہوگیا ہے اس کی میں دل سے قدر کرتا ہوں۔ مگر اس کے ساتھ میں آپ کو مشورہ دُوں گا کہ اپنے اندر وہ اعتدال پیدا کیجئے جو مزاجِ مومن کا امتیازی خاصہ ہے۔

ایک مسلمان عورت پر اصل ذمّہ داری اس کی اپنی ذات کی، اس کے بال بچّوں اور اس کے گھر کی، اور اس کے خاندان کی ہے۔ سب سے پہلے اسے ان کی طرف توجہ کرنی چاہیئے اور انہیں مُسلمان بنانا چاہیئے۔ آپ اِسلام کو سمجھیں، اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو بدلیں، اپنے گھروں کو ہر قسم کی جاہلیت سے پاک کریں، اپنے بچّوں کی صحیح تربیت کریں، اپنے قریبی عزیزوں کو اسلام کی طرف لائیں۔ پھر اپنی برادری کے لوگوں میں سے جن جن کے ساتھ آپ شرعی حدود کے اندر رہ کر مل سکیں ان کے اندر سے جاہلیت کے اثرات نکالیں اور ان کو اسلام سے روشناس کرائیں۔ پھر آپ کا میل جول جن خاندانوں سے ہو اور آپ کے ہمسائے میں جو لوگ بستے ہوں ان کی طرف بھی توجہ کریں اور ان کی مستورات کے ذریعہ سے

کوشش کریں کہ اسلام کی روشنی ان کے گھروں میں بھی پھیلے۔

● اس دائرے سے باہر کام کرنے کے لیے کچھ حدود ہیں۔ سن رسیدہ عورتوں کو تو اسلام اجازت دیتا ہے کہ وہ باہر دوسری عورتوں سے ملیں اور ان کی اصلاح کریں، لیکن جوان لڑکیوں کو اسلام آزاد پھرنے کی اجازت نہیں دیتا، اُن کو اُن حدود کے اندر رہنا چاہیئے جو اسلام نے ان کے لیے مقرر کر دی ہیں۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہماری عورتوں میں تبلیغ و اشاعت کے نام سے وہ جاہلیت پھیلے جسے دُور کرنے اور مٹانے کے لیے ہم اُٹھے ہیں۔

● جو خواتین کام کرنا چاہیں وہ اپنے پاس لٹریچر رکھیں جس حد تک ان کے اپنے ذرائع اجازت دیں وہ خود خریدیں اور جب ضرورت ہو تو جماعت اسلامی کے کسی قریبی دارالمطالعہ سے کتابیں منگوالیا کریں۔ جو خواتین پڑھی لکھی ہوں انھیں لٹریچر پڑھایا جائے، جو اَن پڑھ ہوں اُن کو تعلیم دینے اور لٹریچر سُنانے کا بندوبست کیا جائے۔

● خواتین کے اجتماعات کے سلسلے میں میں نے بہت غور کیا ہے میرا خیال ہے کہ ان کے لیے بار بار اجتماعات میں شریک ہونا ممکن نہیں ہے، اس لیے پورے شہر کی خواتین تو اگر دو یا تین ماہ میں ایک مرتبہ جمع ہو جایا کریں تو کافی ہوگا۔ البتہ محلّہ کی عورتیں ہر ہفتہ یا ہر پندرہ روز میں کسی ایک جگہ جمع ہو کر اپنے کام کا جائزہ لے لیا کریں۔ اس پر تنقید کر لیا کریں، اپنی مشکلات کو حل کرنے کی تدابیر سوچ لیا کریں اور مل کر کام کا پروگرام تجویز کر لیا کریں۔

———۞———

چند اہم سوالات اور اُن کے جوابات

(ٹونک میں خواتین کے اجتماع کے موقعہ پر بعض بہنوں نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے کچھ سوالات بھی دریافت کیے تھے۔ چونکہ یہ سوالات اور ان کے جوابات خواتین کے مسائل سے متعلق اور اہم معلومات پر مشتمل ہیں اس وجہ سے انھیں بھی نمبر وار ذیل میں درج کیا جا رہا ہے)۔

عورتوں کو اپنے حدود کے اندر رہتے ہوئے تبلیغ کس طرح کرنی چاہیئے؟

تبلیغ کے لیے کوئی مصنوعی طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اصل تبلیغ یہ ہے کہ انسان جس اصول اور مسلک پر ایمان رکھتا ہو اس کا نمونہ خود ہی اپنی زندگی میں پیش کرے، اور اپنے کسی قول و عمل سے اس کے خلاف شہادت نہ دے، اس کے ساتھ اگر آدمی زبان اور قلم سے دُوسروں کو سمجھانے اور نصیحت کرنے کی کوشش کرے تو وہ مفید ہو سکتی ہے۔ انسانی فطرت کا خاصّہ یہی ہے کہ وہ کسی اصول سے اسی قدر متاثر ہوتی ہے جس قدر پختہ اس کے علم برداروں پر ایمان ہو۔ اپنے اصول کے معاملہ میں کسی سے کوئی مصالحت نہ کیجیے، اگر آپ دوسروں کے اثر سے دباؤ قبول کرنے لگیں تو پھر دوسرے آپ کو دباتے ہی چلے جائیں گے، اصول پرستی اور مصالحت ایک دُوسرے کی ضد ہیں۔ اپنے اصول کے معاملہ میں ہم کسی رواداری کے قائل نہیں —— اگر دُوسروں کو ہماری حق پرستی اور راست روی پسند نہیں تو آخر ہم ان کی غلط روی کا کیوں لحاظ کریں، غلط رو اور غلط کار لوگوں سے مصالحت، رواداری نہیں بلکہ کمزوری اور دینی بے غیرتی ہے، البتہ یہ لحاظ رہے کہ اپنے اصول کی پابندی میں آپ جس قدر سخت ہوں اسی قدر آپ کو اپنے اصولوں کے پیش کرنے اور

مخالفین و معترضین کو جواب دینے میں نرم اور شیریں ہونا چاہیئے ۔

عورت کو شادی سے پہلے والدین اور بھائیوں کی اور شادی کے بعد شوہر اور سسرال کے بزرگوں کی اطاعت کرنی پڑتی ہے، اگر ہم اپنی زندگی کو بالکل بدل لیں اور غلط راہوں پہ چلنے سے انکار کردیں اور اصلاح کی عملاً کوشش کرنے لگیں، تو ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ ہماری مزاحمت کریں، ایسے حالات میں اُن کے ساتھ ہمیں کیا سلوک کرنا چاہیئے؟ والدین اور شوہر کے حقوق پر اسلام نے بہت زور دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی کسی پر کوئی اصلی اور ذاتی حق نہیں رکھتا، انسان پر اور اس کائنات کی سب دوسری چیزوں پر اصل حقوق صرف اللہ تعالیٰ کے ہیں، دُوسروں کو جو حقوق حاصل ہیں وہ اصلی حقوق نہیں ہیں بلکہ وہ خدا کے عطا کیے ہوئے حقوق ہیں۔ والدین، بھائی، بہن، شوہر اور تمام دوسرے رشتہ داروں کے حقوق بس وہی اور اسی قدر ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیے ہیں، ان سے زیادہ وہ کوئی اور حق نہیں رکھتے اور ان کے یہ حقوق اللہ کے حقوق کے تحت اور اس کے مقرر کردہ حدود کے اندر ہی ادا کیے جا سکتے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی اپنے قول یا فعل سے یہ مطالبہ کرے کہ خدا کی مرضی اور اس کا قانون خواہ کچھ ہو تم کو میری بات ماننی پڑے گی تو اس کی اطاعت کیا معنی اس سے بغاوت شرعاً لازم ہو جاتی ہے، اگر خدا کی نافرمانی میں آپ نے کسی کی اطاعت کی تو آپ کا ایمان ہی سرے سے مشتبہ ہو جائے گا، ہاں اللہ اور رسولؐ نے والدین، شوہر اور دوسرے حق داروں کے جو حقوق مقرر کر دیے ہیں وہ ایک مسلمان عورت کو دوسری عورتوں سے زیادہ اچھی طرح ادا کرنے

چاہئیں اور اس بات کی پروا کیے بغیر ادا کرنے چاہئیں کہ دوسرا خود ان کے حقوق کو کہاں تک ادا کر رہا ہے۔ حتی الوسع کوئی بدمزگی نہ پیدا ہونے دی جائے اپنی زبان اور جذبات پر قابو رکھا جائے اور اپنے اصولوں میں پوری سختی، لیکن کلام اور اخلاق میں انتہائی نرمی برتی جائے۔

ہمیں تقریر کس طرح کرنی چاہیئے تاکہ زیادہ سے زیادہ بہنیں متاثر ہوں؟

جن مستورات کو اللہ تعالیٰ نے تقریر کی صلاحیت بخشی ہے اُن کو چاہیئے کہ ہمارے لٹریچر کو غور سے پڑھیں، جب خیالات اور ذہن صاف ہو جائیں گے تو تقریر کا ڈھنگ خود بنتا جائے گا۔ "خطبات" سے اس سلسلہ میں خاص طور پر مدد لی جاسکتی ہے، اندازِ بیان آسان سے آسان اور صاف ہو تاکہ کم سے کم لیاقت کا آدمی بھی آپ کی بات سمجھ سکے، مخاطب لوگوں کے ذہن اور خیالات کا لحاظ نہایت ضروری ہے، ابتداءً کچھ غلطیاں ہوں تو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ دوسرے سارے کاموں کی طرح یہ کام بھی کرنے سے ہی آتا ہے۔

سنیما جو آج کل وبا کی طرح پھیلا ہوا ہے اسے دیکھنا کہاں تک جائز ہے؟ کیونکہ بعض کھیل اصلاحی اور سبق آموز بھی ہوتے ہیں۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سنیما دیکھنا کسی حد تک بھی جائز نہیں، اس سے بالکل پرہیز کیا جائے، جن فلموں کو عام طور پر تعلیمی اور اخلاقی کہا جاتا ہے ان میں بھی بداخلاقی کے جراثیم موجود ہوتے ہیں، جب تک یہ فن ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جن کے نزدیک اخلاق کی سرے سے کوئی قدر و قیمت ہی نہیں اس وقت تک کہیں کوئی لکیر نہیں کھینچی جاسکتی کہ اس حد تک تو آپ

اس سے فائدہ اٹھائیں اور فلاں مقام سے آگے نہ بڑھیں ۔ میں نے آج تک نہیں دیکھا کہ سینما سے کسی نے کوئی سبق سیکھا ہو، بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ جس شخص کے اندر کوئی اخلاقی حس موجود ہو وہ ان مناظر کو نہیں دیکھ سکتا اور نہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں، بھائیوں اور بہنوں کا انھیں دیکھنا گوارا کر سکتا ہے جو سینما میں عام طور پر پیش کیے جاتے ہیں ؎

اگر اللہ تعالیٰ کوئی وقت لایا اور اقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں منتقل ہوا جو خدا پرستی اور خدا پرستانہ اخلاق کے پابند ہوں تو وہ انشاء اللہ دوسرے فنون کے ساتھ اس فن کو بھی مسلم اور مومن بنائیں گے اور پھر یہ دیکھنے کے قابل ہوگا۔ اگر سینما کا فی الواقع صحیح استعمال کیا جائے تو اس کے ذریعہ سے عوام کو موجودہ زمانے کے عام کالجوں کی تعلیم کے برابر معلومات بہت آسانی سے دی جا سکتی ہے۔ وقت آنے پر ہم انشاء اللہ دنیا کو یہ کر کے دکھائیں گے، لیکن اس وقت جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں سینما بینی کو قطعاً ترک کر دینا چاہیئے ؎

عورتوں کا لباس کس قسم کا ہونا چاہیئے ، برقع اوڑھ کر باہر نکلنا کس حد تک اور کن حالات میں جائز ہے ؟

"پردہ"[1] میں اس کی تفصیلات موجود ہیں ، وہاں سے دیکھ لی جائیں ۔ دہلی، یو۔پی اور بھوپال میں عورتیں جیسے چست لباس عام طور پر پہنتی ہیں وہ جائز نہیں خواہ وہ موٹے کپڑے کے ہی بنے ہوئے ہوں، ضرورت کے وقت برقع

---

[1] مصنف، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ، ناشر، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۶

پہن کر گھر سے باہر نکلنا درست ہے لیکن شوخ رنگ کے ریشمی برقعے جو آج کل رائج ہیں ان کا استعمال درست نہیں، برقعے اور چادر جسم اور زینت کے چھپانے کے لیے ہیں نہ کہ انہیں نمایاں کرنے کے لیے۔ پردے کی شرعی حدود معلوم نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے ایک گروہ نے تو اس قدر آزادی اختیار کر لی کہ اپنی عورتوں کو نیم برہنگی کی حد تک لے گئے اور دوسرے گروہ نے انھیں گھر کی چار دیواری میں اس طرح قید کر دیا کہ صوبہ بہار میں مسلمانوں کے قتلِ عام کے وقت بھی ان کی عورتیں ڈولی کے بغیر گھر سے نہ نکل سکیں۔ یہ دونوں طریقے غلط ہیں، دنیا کے حالات تو اب ایسے ہو رہے ہیں کہ عورتوں کو اس کے لیے تیار ہونا چاہیئے کہ وقتِ ضرورت اپنی حفاظت خود کر سکیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکیں، اور مصیبت کے وقت مردوں کے لیے بار اور رکاوٹ بننے کے بجائے اُن کی قوت میں اضافہ کرنے کا موجب ہوں میں تو یہ بھی مشورہ دوں گا کہ بھائی اپنی بہنوں کو، اگر ممکن ہو سکے تو گھروں کے اندر سائیکل کی سواری بھی سکھا دیں تاکہ ضرورت کے وقت اس سے کام لیا جا سکے۔

کیا عورت پردہ میں رہ کر ضرورت کے وقت غیر مرد سے بات کر سکتی ہے؟

ہاں ضرورت کے وقت عورت پردے میں رہ کر دوسرے مرد سے بات کر سکتی ہے، لیکن لہجے میں لوچ اور ملائمت نہیں ہونی چاہیئے مبادا کہ شیطان اس کے دل میں کوئی غلط توقع پیدا کر دے، حضرت عائشہؓ نے مردوں کو درس بھی دیا ہے۔ ایک موقع پر خطبہ بھی دیا اور فوجوں کو احکام بھی دیے۔ دوسرے مسائل

کی طرح اس میں بھی اعتدال کی راہ ہی صحیح ہے کہ عام آزادی بھی نہ ہو اور یہ بھی نہیں کہ ضرورت کے وقت بھی کسی سے بات نہ کی جائے ۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنکھوں کا زنا غیر مرد کو دیکھنا ہے، اور اکثر غیر مرد پر نگاہ پڑ جاتی ہے، یہ گناہ قابل معافی ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ پر "پردہ" میں بحث کی گئی ہے، وہاں دیکھ لی جائے۔ دراصل مردوں کے عورتوں کو دیکھنے پر جو پابندی ہے وہ پابندی عورتوں کے مردوں کو دیکھنے پر نہیں ہے۔ اگر عورت پردہ کرکے نکلے گی تو ظاہر ہے کہ اسے راستہ دیکھنا ہوگا اور اس سے اس کی نظر مردوں پر بھی پڑے گی، عورت کا جو دیکھنا منع اور زنا ہے وہ بُری نظر سے دیکھنا ہے ۔

بعض عورتیں گنڈے اور تعویذوں کو بہت اہمیت دیتی ہیں اور اس کے لیے تاویل کرتی ہیں کہ جس طرح نظر جھکوانا جائز ہے اسی طرح یہ بھی درست ہے۔

آج کل جو تعویذ اور گنڈے ہوتے ہیں وہ اکثر و بیشتر مشرکانہ اور شیطانی ہوتے ہیں، ان میں سے جو بظاہر قرآنی لکھے جاتے ہیں ان میں بھی اکثر و بیشتر دیکھا گیا ہے کہ کچھ نہ کچھ تحریف ضرور ہوتی ہے اس لیے ان سے احتراز کرنا چاہیئے، دوسرے صحیح اور قرآنی تعویذوں کو بھی دُعا کی حیثیت میں ہی رکھنا چاہیئے، ان کے متعلق یہ اعتقاد رکھنا کہ ان سے لازماً آرام ہو جائے گا درست نہیں ہے۔ صحت و تندرستی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اس کے لیے اسی سے دُعا کرنی چاہیئے۔ تعویذ اور گنڈوں کی طرف رجوع کرنا عام طور پر بے عمل اور پست ہمت قوموں کا شیوہ رہا ہے اور اب بھی ان کی طرف رجوع کرنے والے ایسے ہی لوگ ہیں ۔

میلاد النبی میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟ اس میں پیدائش کے ذکر کے وقت کھڑا ہونا کیسا ہے؟

حضورؐ کی سیرت بیان کرنے کے لیے جمع ہونا صحیح بلکہ بہت نیک کام ہے، لیکن اس کی غرض یہ ہونی چاہیئے کہ اس سے سبق لیا جائے۔ مگر یہ میلاد خوانی جو اس وقت رائج ہے، یہ ساری کی ساری جاہلانہ اور مشرکانہ رسُوم پر مشتمل ہے، اور اگر حضورؐ یا صحابہ کے زمانہ میں ہوتی تو اسے حکماً بند کر دیا جاتا۔ جس طرح حضورؐ کی پیدائش کے ذکر کو کوئی شخص بھی پسند نہیں کر سکتا ؛

شادی بیاہ کے موقع پر گانا مع ساز کے گایا جاتا ہے اور ان تقاریب میں شریک ہونا پڑتا ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے اور ساز کس قسم کا سُننا جائز ہے؟

ساز بجز دف اور کسی قسم کا جائز نہیں، شادی بیاہ کے موقع پر اگر لڑکیاں بالیاں آپس میں بیٹھ کر کچھ گالیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی اجازت دی ہے لیکن پیشہ ور ڈومنیوں اور طوائفوں کا گانا اور ساز کے ساتھ گانا کسی طرح جائز نہیں۔ ایسی محفلوں سے اجتناب کرنا چاہیئے جہاں شادی میں اس کا انتظام کیا گیا ہو وہاں آپ صرف نکاح اور ولیمہ کے موقع پر شریک ہوں اور باقی تقریبات سے الگ ہو جائیں۔ آپ کا طرزِ عمل یہ ہونا چاہیئے کہ ہم اپنے عزیزوں اور بھائی بندوں کے سب جائز کاموں میں شریک ہوں گے اور ناجائز کاموں سے الگ رہیں گے ؛

---

(۲)

دعوتِ اسلامی میں
خواتین کا حصّہ

(یہ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کی ایک تقریر ہے جو انھوں نے الٰہ آباد میں خواتین کو مخاطب کرکے فرمائی تھی)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

محترم خواتین! مجھے اس بات کی بڑی خوشی ہے کہ اس شہر میں آکر مجھے ماؤں اور بہنوں سے بھی کچھ کہنے کا موقع مل رہا ہے۔ اس وقت غلط تعلیم و تربیت اور غلط روایات کے پھیلنے کی وجہ سے ہماری حالت یہ ہو گئی ہے کہ عورتیں جس طرح اپنی روٹی کپڑے کی ذمہ داری مردوں پر سمجھتی ہیں اسی طرح دین کی ساری ذمہ داریاں بھی مردوں ہی پر خیال کرتی ہیں۔ حالانکہ میں پوری ذمہ داری کے ساتھ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیائے کرام جو دین لے کر آئے ہیں اس دین کی مخاطب عورتیں بھی اسی طرح ہیں جس طرح مرد ہیں۔ فرائض کے حدود ضرور مختلف ہیں لیکن دین کو اختیار کرنے، دین کو قائم کرنے، حق کی راہ میں جدّوجہد کرنے، عنداللہ جوابدہ اور مسئول ہونے میں دونوں یکساں ہیں، اور ایسے یکساں کہ اگر کوئی عورت اُن حقوق و فرائض میں جو اللہ کی طرف سے اس پر عائد ہوتے ہیں، کوتاہی کرے گی، تو

خدا کے ہاں اس سے اسی طرح پُرسش ہوگی جس طرح مرد سے اس کی کوتاہیوں پر ہوگی، وہ مسئولیت سے ہرگز نہیں بچ سکتی ۔ اگر آپ اپنی تاریخ کو پڑھیں گی تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کس طرح اقامتِ دین کی جدّوجہد میں عورتوں نے مردوں کے برابر حصّہ لیا ہے ۔ یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دینِ حق کی دعوت دی تو سب سے پہلے جن لوگوں نے اس دعوت کو قبول کیا ان میں ایک خاتون حضرت خدیجۃؓ الکبریٰ بھی ہیں۔ حالانکہ اس وقت اسلام کو قبول کرنا کوئی سہل کام نہ تھا ، بلکہ دنیا جہان کی مصیبتوں کو مول لینا تھا ۔ انھوں نے نہ صرف اسلام قبول کرنے میں سبقت کی بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھارس بندھانے والی، غیبی تائید اور حق کی امداد کا یقین دلانے والی، توکّل اور بھروسہ کی تلقین کرنے والی بنیں، انھوں نے سب سے پہلے تسلّی دی، سب سے پہلے دینِ حق کے اس عَلَم کو اُٹھایا، اور ایسی وفاداری اور عشق وشوق کے ساتھ کہ ان کی وفاداری نہ صرف عورتوں، بلکہ مردوں اور تمام نسلِ انسانی کے لیے قابلِ فخر ہے ۔ ان کا مال اور ان کا دماغ ودل سب اسلام پر نثار ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات کا سب سے زیادہ غم ہوا، اس لیے نہیں کہ آپؐ کی عزیز بیوی آپؐ سے جُدا ہوگئیں، بلکہ اس لیے کہ دین کا سب سے بڑا جاں نثار دُنیا سے اُٹھ گیا۔

اہلِ حق پر سخت سے سخت دَور آئے ۔ کون سی مصیبتیں ہیں جو اُن پر نہیں توڑی گئیں ۔ کانٹوں میں گھسیٹے گئے، تپتی ہوئی ریت پر لٹائے گئے، گرم سلاخوں سے داغے گئے، بُری طرح زدوکوب کیے گئے ۔ ان مُصیبتوں کو مَردوں کی طرح

عورتوں نے بھی سہا، بلکہ تکلیفیں جھیلنے اور شدائد و مصائب کو برداشت کرنے کی ان سے بہتر مثالیں مرد بھی پیش نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ وہ حق پرست خواتین تھیں جنھیں کسی تدبیر سے بھی رام نہ کیا جا سکا۔ پھر جب وہ وقت آیا کہ مکہ کی فضا اہلِ حق کے لیے بالکل ہی ناسازگار ہوگئی قریش نے مسلمانوں پر خُدا کی زمین تنگ کر دی اور مسلمانوں نے جشہ کی طرف ہجرت کی تو اس میں بھی خواتین شریک تھیں۔ اس کے بعد ہجرتِ مدینہ کا مرحلہ پیش آیا تو جس طرح مَردوں نے اپنے وطن اور اپنے اعزا اور اپنے املاک و اموال کو خیرباد کہا اسی طرح عورتوں نے بھی سارے علائق کو ترک کر کے حق کا ساتھ دیا، اور تاریخ اسلام کے بعد کے صبر آزما مرحلوں میں بھی عورتوں کی قربانی، ان کے استقلال و برداشت اور ان کے اسلام سے تعلق کی ایسی شاندار مثالیں ملتی ہیں کہ اگر ان کو بیان کیا جائے تو داستان بہت طویل ہو جائے گی۔ میرے کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ جب تک عورتیں اپنے درجہ کو ٹھیک ٹھیک سمجھتی تھیں، اور جب تک یہ یقین دلوں میں جاگزیں تھا کہ اسلام کی دعوت کے مخاطب مرد و عورت دونوں ہی ہیں، اور اقامتِ دین کی ذمہ داری میں دونوں برابر کے شریک ہیں، عورتیں راہِ حق کے جانباز سپاہیوں میں تھیں، اس راہ کی پتھر نہیں بنی تھیں۔ عرب کی معاشرت میں یوں بھی عورت کی منزلت بہت پست تھی، اس لیے مخالفین کو ان پر مظالم توڑنے کی اور بھی زیادہ سہولتیں حاصل تھیں۔ عورتوں نے ان تمام تلخیوں کو گوارا کیا، اور عشق حق اور محبتِ رسول کی ایسی روایتیں قائم کیں کہ ان کو سُن کر آج بھی دلوں میں گرمی اور ایمان

میں تازگی پیدا ہو جاتی ہے، احد کے معرکے میں نبی اکرمؐ اور آپؐ کے بہت سے رفقا مردا صحاب کو سخت حالات سے دو چار ہونا پڑا۔ اس معرکے میں بعض دُوسری ناگوار افواہوں کے ساتھ یہ خبر بھی پھیل گئی کہ حضورؐ شہید ہو گئے، اس خبر کا مدینہ پہنچنا تھا کہ ایک انصاریہ خاتون گھر سے نکل پڑیں کہ جو وجودِ پاک دینِ حق جاننے کا واحد ذریعہ تھا کیا واقعی وہ بھی دستِ ستم کا نشانہ بن گیا؟ وہ مدینے سے نکل کر سیدھی میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ احد سے واپس آنے والا جو شخص ملتا اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دریافت کرتیں بعض آدمیوں نے ان سے کہا کہ نہایت غم و افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑتی ہے کہ تمہارا نوجوان بیٹا، تمہارے والد، اور تمہارے شوہر، تینوں جنگ میں شہید ہو گئے۔ یہ خبر کس قدر صبر آزما تھی! ایک عورت کا کلیجہ پھاڑ دینے کے لیے ان میں سے کوئی ایک خبر بھی کافی تھی۔ ان کے عزیز ترین سہارے ایک ایک کر کے اس طرح رخصت ہو گئے تھے۔ لیکن ان کا اسلام سے جو تعلق تھا اس کا ذرا اثر دیکھئے، فرماتی ہیں، میں باپ، بھائی اور شوہر کا ماجرا نہیں پوچھ رہی ہوں۔ یہ بتاؤ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ انھوں نے بشارت دی کہ الحمدللہ آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔ بولیں کہ میں اس کو اس وقت تک باور نہیں کر سکتی جب تک روئے مبارک کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔ اس کے بعد حضورؐ کو صحیح و سالم دیکھ کر فرمایا کُلُّ مُصِیْبَۃٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ (اے رسول پاکؐ آپ کے ہوتے ہوئے ساری مصیبتیں ہیچ ہیں) یہ ایک واقعہ ہے جو بطور مثال کے میں نے پیش کیا ہے۔ عورتوں

کی تاریخ بہت روشن ہے، اور اسلام کا ہر دور ایسے بہت سے کارناموں سے معمور ہے۔ تاریخ اسلامی کے اس دور میں بھی جب کہ مردوں کی ایمانی قوت کمزور ہوگئی تھی، ایسی عورتیں مل جائیں گی جن پر مسلمان فخر کرسکتے ہیں۔

اِسلام نے اپنے روشن زمانے میں جس قدر جنگیں لڑیں ان میں مردوں نے اگر تیر و خنجر چلائے اور زخم اٹھائے، تو عورتوں نے پائنچے چڑھا کر زخمیوں کو پانی پلایا، ان کی مرہم پٹی کی، ان کی ڈھارس بندھائی، اپنے مال سے اور اپنے زیورات سے دینِ حق کی امداد کی۔ چھوٹی چھوٹی بچیوں نے، جب کہ آپؐ کے نام لینے والے کم تھے، آپؐ کی تعریف کے گیت گائے۔ آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ اے بچیو! کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ ارشاد ہوا "میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں" مردوں میں سے کس گروہ کو یہ شرف حاصل ہوسکا؟

یہ اس دور کا حال تھا جب عورتیں جانتی تھیں کہ مرد و عورت دونوں دینِ حنیف کے یکساں حامل اور یکساں مخاطب ہیں۔ اس وقت تک ہر وہ چیز جو راہِ حق میں عائق بنی، خواہ وہ کتنی ہی عزیز و محبوب کیوں نہ ہو، اس کو انھوں نے ٹھکرا دیا۔ محبوب سے محبوب شوہر، جس کا رشتہ دینِ حق سے استوار نہ ہوتا، ان کی نگاہ میں مبغوض ہو جاتا۔ غریب سے غریب اور مفلس سے مفلس شوہر کو محض حق پرستی کی بنا پر انھوں نے محبوب بنایا۔ عورتوں نے اس چیز میں کبھی پست ہمتی نہیں دکھائی۔ شوہر نے اگر دینِ حق سے اعراض کیا تو مسلمان عورت نے اس سے اپنا دامن چھڑا لیا۔ بیٹوں تک کے رشتے انھوں نے

دین کی خاطر توڑ ڈالے۔

اسلام کا اثر اُن کے قلوب پر اس حد تک تھا کہ ان کی ساری نفرت و محبت للّٰہ و فی اللّٰہ تھی۔ ماؤں کے لیے ان کے بیٹوں کا دولت مند ہونا قابل ذکر چیز نہ تھی، اگر وہ خدا کی فرماں برداری کے جذبے سے سرشار نہ ہوں کسی شوہر کا بڑے سے بڑا ایثار ان کی نظریں کوئی وقعت نہ رکھتا تھا، اگر وہ مومن نہیں ہے، اور محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں ہے۔ یہ اس روشن دور کی روداد ہے جب کہ عورتوں کو یہ احساس تھا کہ وہ بھی دینِ حق کے قائم کرنے کی ذمہ دار ہیں۔

اب دیکھئے کیسی کایا پلٹ گئی ہے۔ آج سمجھ لیا گیا ہے کہ جس طرح نان و نفقہ کی ذمہ داری مرد پر ہے اسی طرح دین کے لیے جدّوجہد کرنا بھی مرد ہی کا فریضہ ہے۔ ان کی پہلی غلطی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو شریعت الٰہی کا مخاطب نہیں سمجھتیں، حالانکہ محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے دعوت مردوں اور عورتوں کو یکساں دی ہے۔ اس غلط تصوّر نے ہماری اسلامی زندگی تہس نہس کر ڈالی ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ عورتیں درحقیقت سوسائٹی کے تمام معائب و خرافات اپنے اندر اور اپنے بال بچّوں اور شوہروں کے اندر پھیلانے کا ذریعہ بن گئی ہیں، اور اگر انھیں ناگوار نہ ہو تو ذرا صاف الفاظ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ موجودہ طاغوتی دور میں عورتوں نے شیطان کی ایجنسی لے رکھی ہے۔ تمام وہ وبائیں جو سوسائٹی میں پھیلتی ہیں اُنہیں بُری طرح متاثر کرتی ہیں، اور ان سے ان کی نسلوں اور ان کی اولادوں میں پھیلتی ہیں۔ دیہاتوں میں

حالات کچھ مختلف ہیں مگر شہروں کے حالات بالعموم یہی ہیں۔
عورت کے بگڑنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام نسل کی ذہنی و اخلاقی حالت مسموم ہوجاتی ہے۔ کوئی ماں اپنے بچے کے منہ میں صرف دودھ ہی نہیں ڈالتی بلکہ اس کے ساتھ اپنے اخلاق کی روح بھی اُس کی رگ رگ کے اندر اتارتی ہے۔ اگر اس کے اندر روحِ دین کمزور ہے، اخلاقِ انسانی اور حسِ ایمانی مُردہ ہے، تو اس سے زیادہ زہریلے جراثیم بچے میں سرایت کر جائیں گے جتنے ایک مدقوق ماں کا دُودھ پینے سے ایک بچہ کے اندر پہنچ جاتے ہیں۔
صحیح اسلامی تربیت کا اصلی سرچشمہ اور بہترین ذریعہ ہماری مائیں ہیں۔ جب تک ہماری مائیں حضرت اسماءؓ کے نمونہ کی تقلید نہ کریں گی، کس طرح عبداللہ بن زبیرؓ جیسے جانباز پیدا ہوسکیں گے؟ جب تک وہ راہِ حق میں سولی پر چڑھ جانے والے بیٹے کو دیکھ کر یہ نہ کہیں کہ اچھا ابھی مرکب سے یہ سوار اُترا نہیں!" اس وقت تک دار و رسن کا کھیل کھیلنے والے فرزند رکن کی کوکھ سے جنم لیں گے؟ انہیں محترم خاتون سے، جب کہ یہ اپنی بینائی کھو چکی تھیں، بیٹے نے آکر آزمائش کے طور پر پوچھا "ماں میں اپنے آپ کو دشمنوں کے حوالے کردوں یا معافی مانگ لوں"۔ انھوں نے اپنے کمزور ہاتھوں سے آپ کو پکڑا اور بدن کو چھو کر پوچھا کہ "یہ کیا پہن رکھا ہے؟" انھوں نے عرض کیا "زرہ"۔ فرمایا "راہِ حق کے مجاہدوں کو اس قسم کے پردوں کی ضرورت نہیں، اسے اُتار دو اور راہِ حق میں سینہ سپر ہو کر لڑو، کہ کل کو تمہارے دشمنوں کو تم پر ہنسنے کا کوئی موقع نہ ملے۔"

ہم صرف ایک ہاتھ سے دینِ حق کی عمارت قائم نہیں کر سکتے۔ اس میں دُوسرے ہاتھ یعنی عورت کا تعاون ضروری ہے۔ ہماری نسلوں کی پہلی تربیت گاہ ماں کی آغوش ہے۔ ماں کی چھاتی کے ایک ایک قطرۂ شیر کے ساتھ بچّہ جذبات وحسّیات اور اخلاق بھی اپنے اندر جذب کرتا ہے، اور اس کی ایک ایک ادا سے عمل کے طریقے سیکھتا ہے۔ ماں اگر مومنہ مسلمہ ہے تو بچّے بھی مومن ومسلم، ماں اگر ایمان و اسلام سے خالی ہے تو بچّے بھی اسی طرح ایمان واسلام سے محروم ہوں گے۔ ہم اپنی نسلوں کی تمام اثرات سے حفاظت کر بھی لیں تو یہ بالکل ناممکن ہے کہ ماؤں کے نیک وبد اثرات سے ان کو بچا سکیں۔

مَردوں کی خرابی کے اثرات بھی مہلک ہیں، مگر ان کی خرابی سے ممکن ہے کہ بچنے کی شکلیں پیدا ہو جائیں۔ لیکن عورت کے بگاڑ کے خراب نتائج سے بچنا ناممکن ہے۔ ان کی پیدا کی ہوئی خرابی جڑ کی خرابی ہے۔ شاخوں اور تنوں کی خرابی نہیں ہے۔ اس کا علاج ناممکن ہے۔ اسی وجہ سے ان پر ذمہ داری بہت سخت ہے۔ یہ جو بیماریاں بچّوں کو پلا دیں گی کوئی ماہر سے ماہر طبیب بھی ان کا علاج نہیں کر سکتا۔ جو درخت اپنی نشوونما کے ابتدائی دَور ہی میں آفت رسیدہ ہو جائے، پھر اس کا تناور درخت ہونا مشکل ہی ہوتا ہے۔ پس عورتوں کا فرض ہے کہ آج ہم دین کو تازہ کرنے کا جو عزم لے کر اُٹھے ہیں، اس کام میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ ہم ان کی شرکتِ عملی کے سخت محتاج ہیں۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم عورتوں کو اب تک براہِ راست

مخاطب کرنے کے وسائل پیدا نہ کر سکے ہیں۔ ماؤں اور بہنوں سے خدا کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ وہ اپنی غفلت کو دُور کریں، اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں۔ یہ چیز ان کے فرائض میں سے ہے کہ وہ سمجھیں کہ اللہ کا دین کیا ہے، خُدا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا ہے۔ ہر ماں، ہر لڑکی اور ہر بہن کا یہ فریضہ ہے۔ پھر ان کے فرائض میں سے یہ بھی ہے کہ ان کے بطن سے جو بچّے پیدا ہوں ان کے اندر صرف دُودھ ہی نہ اتاریں بلکہ اپنے عمل سے، اپنے اخلاق سے اور روز کی زندگی سے ان میں ان تمام اساسات دین کو راسخ کر دیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا لب لباب ہیں۔ اُنہیں اپنی جدّوجہد کے نتائج کی طرف سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ ان کا مرتبہ بہت اُونچا ہے ان کی باتیں بے اثر نہیں رہ سکتی ہیں۔ اپنے بچّوں کو تو وہ باقاعدہ حکم دے سکتی ہیں، اور سعید بیٹے کا فرض ہے کہ وہ اپنی ماں کے حکم کی تعمیل کرے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ کس کی خدمت کروں؟ آپؐ نے فرمایا "ماں کی"! پھر یہی سوال کیا، فرمایا "ماں کی"! پھر یہی پوچھا، جواب دیا، "ماں کی"! چوتھی دفعہ پوچھنے پر فرمایا "باپ کی"! لیکن شوہر کے ساتھ بیوی کا تعلق تعاون کا تعلق ہے، اور یہ تعاون دین و دنیا دونوں میں ہے۔ جس طرح گھریلو زندگی میں ایک بیوی کا فرض ہے کہ وہ شوہر کی وفا دار، امانت دار اور خیر خواہ رہے، اسی طرح دینی معاملات میں اس کا فرض ہے کہ وہ شوہر کو نیکی اور بھلائی کے مشورے دے، اور اس کی گمراہیوں پر اس سے زیادہ بے چین ہو جتنا دنیوی معاملات میں اس کی

غلطیوں پر ہوتی ہے ، اور اس کام میں اسے جو دُکھ بھی اُٹھانے پڑیں اُنھیں صبر کے ساتھ برداشت کرے ، لیکن کبھی ٹھنڈے دل سے شوہر کی گمراہیوں کو گوارا نہ کرے ۔ اگر کوئی شوہر نیک ارادہ کرے تو ہرگز ہرگز کوئی عورت محض رسم و رواج کی پابندی کی وجہ سے اس کے ارادۂ حق میں رکاوٹ نہ ڈالے ۔ وہ یہ ضرور معلوم کرے کہ دین حق کی تعلیم کیا ہے ، اور جب معلوم ہوجائے کہ صحیح راستہ پر گامزن ہے تو اس سے تعاون کرے ، اس کی ڈھارس بندھائے ، اس کی حوصلہ افزائی کرے ، عُسر و یُسر ہر حال میں اس کی رفاقت و غمگساری کا یقین دلائے ، حقیقت یہ ہے کہ بغیر اس کی رفاقت کے مرد کے لیے راہ حق کا سفر بہت دشوار ہے ۔ یہی ایک کوچہ ہے جس میں میاں بیوی کی رفاقت سب سے زیادہ مطلوب اور اللہ کو پسند ہے ۔ جو عورت دین حق کی اقامت کی راہ میں مرد کا دست و بازو بنتی ہے ، اس مقصد کی خاطر مصیبتیں جھیلتی ہے ، اور فاقے کرتی ہے ، وہی عورت امہات المومنینؓ اور صحابیاتؓ کے مبارک نمونے پر ہے ، اور جو عورت اس راہ میں پتھر بنتی ہے تو وہ عورت وہ ہے جس نے شیطان کی ایجنسی لے رکھی ہے ۔

ہماری اصلی دولت عورتوں ہی کے پاس ہے ۔ نسلیں انہی کی تحویل میں ہیں ۔ ان کا بٹھایا ہوا نقش قبر تک کھرچنے کے باوجود نہیں چھٹتا ، خواہ وہ نقشِ باطل بٹھائیں یا نقشِ حق ۔ وہ چاہیں تو ان کے فیضِ تربیت سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو ہماری تاریخ کو از سرِ نو روشن کردیں ، اور چاہیں تو اسی طرح کے لوگوں کو جنم دیں جیسے کہ آج کل کے مسلمان ہیں ۔ خیال تو کیجیے کہ کبھی

گنتی کے چند نفوس تھے، لیکن زمین ان کے وجود سے تھرّا اُٹھی تھی۔ لیکن آج مردم شماری کے اعتبار سے مسلمانوں کی تعداد کس قدر زیادہ ہے، مگر صفحۂ گیتی کو خبر تک نہیں کہ کوئی اس کی پُشت پر ہے۔ ہمیں خود بتانے کی ضرورت پڑتی ہے کہ ہم موجود ہیں۔ اگر عورتیں حضرت اسمارؓ کے نمونہ پر چلیں گی تب ہی ان فرزندانِ اسلام کو پیدا کرسکیں گی جن کی موجودگی زمین کو محسوس ہوگی، اور وہ پکار کر کہے گی کہ اس کے سینہ پر کوئی اللہ کے راستے کا سوار ہے۔ اگر انھوں نے یہ روش اختیار نہ کی تو دنیا یُونہی پیدا ہوتی اور مرتی رہے گی، مگر وہ لوگ پیدا نہ ہوں گے جن سے اسلام کا بول بالا ہو۔

میں پھر اپنی ماؤں اور بہنوں سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنی روشن تاریخ کو یاد کریں۔ اور اس راہ پر چلنے کی کوشش کریں۔ ہم نے اپنے خدا سے جو مبارک عہد کیا ہے کہ ہم دینِ حق کو اپنے اوپر اور دوسروں پر قائم کریں گے اس میں وہ ہماری مدد کریں۔

میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ مردوں کو توفیق عمل دے اور عورتوں کو اس راہ میں ان کا رفیق سفر بنا دے۔ آمین۔

———ٗ———